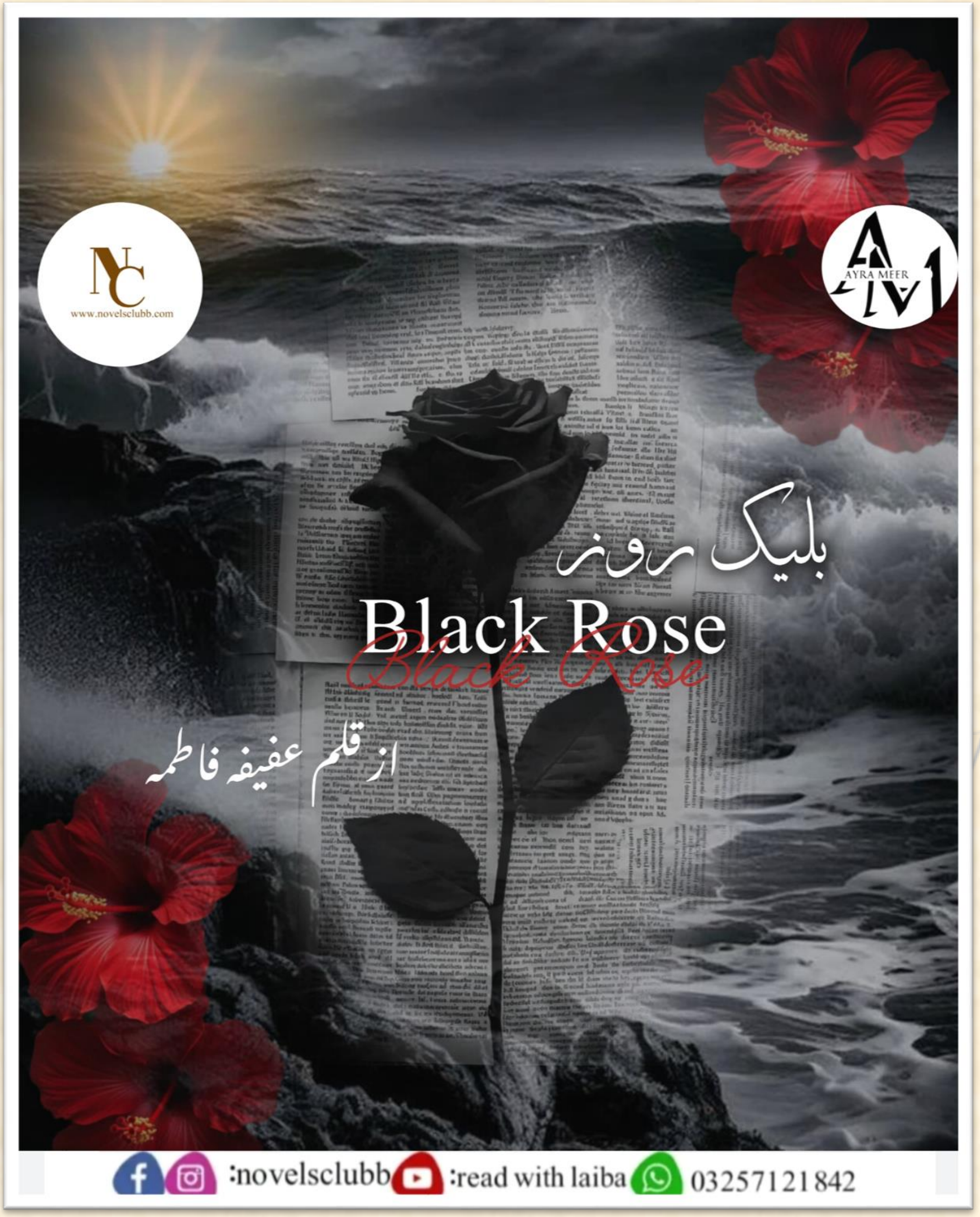
بلیک روز
Black Rose
Black Rose
از قلم عفیفہ فاطمہ
www.novelsclubb.com
AYRA MEER
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

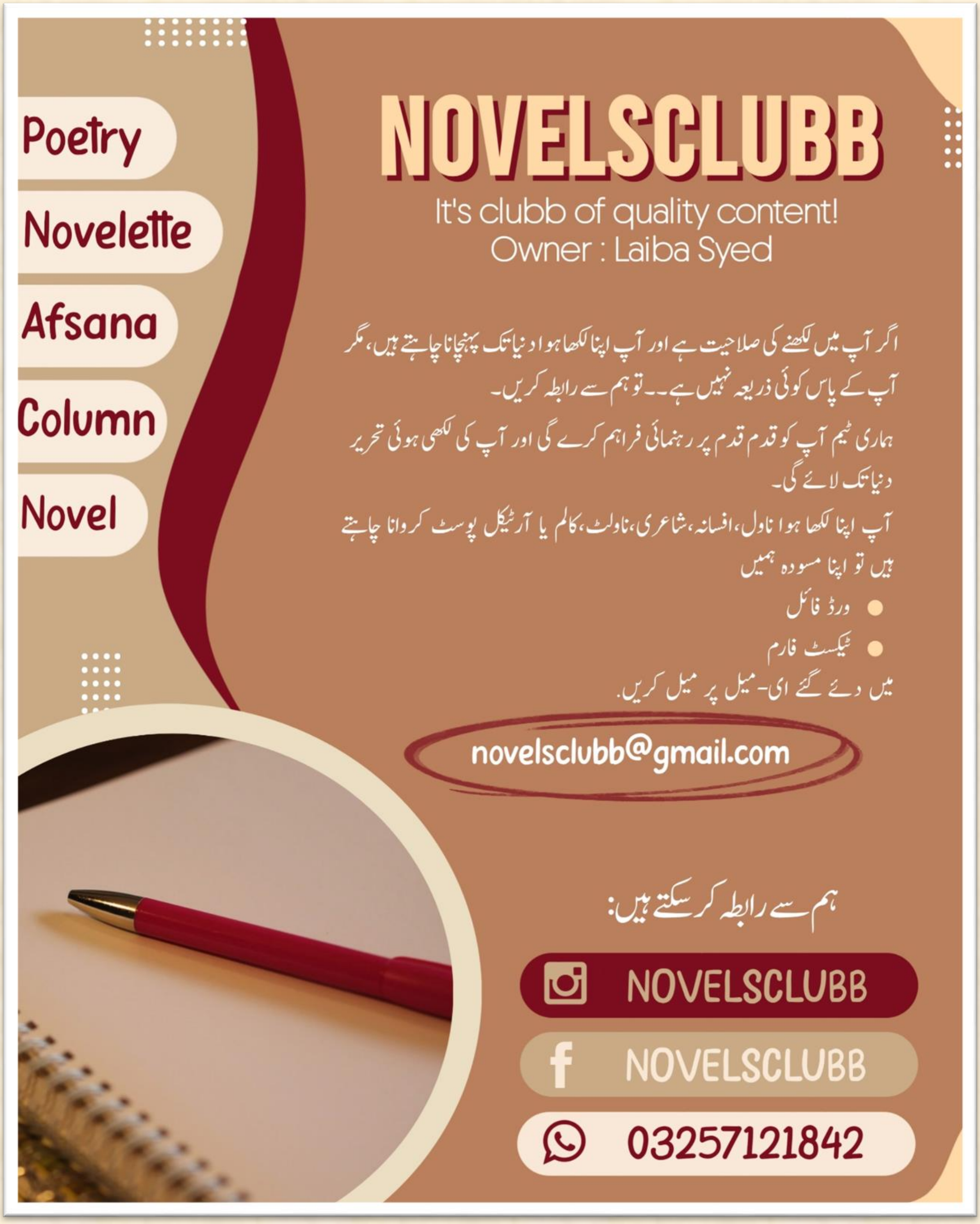

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

ہلفیتی (بلیک روز)

از قلم

عفیفہ فاطمہ

ناول "بلیک روز" کے تمام جملہ حق لکھاری "عفیفہ فاطمہ" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں
کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی
ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی
ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں
ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

ناول :۔ ہلفیتی

آخری قسط

صبح صادق کا وقت تھا جب اچانک گھر کی بیل بجی۔ صلہ جو ٹی وی لاؤنج کے فرش پر بچھے گدے پر سو رہی تھی، ہڑبڑا کر اٹھی۔ دل یکدم ہی زور سے دھڑکا تھا۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ سمریز اور عالیان اس کے ساتھ ہی گہری نیند میں ڈوبے تھے۔ بیل کی آواز پر ہلکا سا ہلے اور پھر دوبارہ گہری نیند میں اتر گئے۔ کل رات انہوں نے جو مووی نائٹ کا اہتمام کیا تھا اس کے باعث پورا کمرہ بکھرا پڑا تھا۔ پیزے کے ڈبے، جوس کی بوتلیں اور فرائز کے پیکٹ زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔ ابھی وہ نیند میں ڈوبی آنکھوں سے یہ سب ہی دیکھ رہی تھی کہ ڈور بیل دوبارہ بجی۔ صلہ کا دل اس بیل کی آواز پر ایک بار پھر ڈوب کر ابھرا۔ اتنی صبح صبح کون ہو سکتا تھا۔ کچھ گڑبڑ ہونے کا احساس اسے چاروں جانب سے گھیر گیا۔

وہ نیند اور گھبراہٹ کے باعث سست قدم اٹھاتی دروازے کی جانب بڑھی۔

”کون؟“ وہ گلا کھنکھارتی دھیرے سے بولی۔ جواب ندارد۔

”کون ہے؟“ اس نے دوبارہ پوچھا مگر اب بھی کوئی جواب نہ آیا۔ وہ کشمکش کا شکار کچھ دیر کھڑی رہی پھر جانے کیلئے مڑی۔ تبھی ایک بار پھر بیل بجی۔

"کون ہے بھئی!" اس دفعہ وہ ذرا اکتاہٹ سے بولی۔

"کیا کھول کر دیکھنا چاہیے؟" وہ زیرِ لب بڑبڑائی، ماتھے پر نا سمجھی سے چند بل بکھر گئے۔

"دیکھ لیتی ہوں۔ بلڈنگ میں کوئی بھی مشکوک انسان نہیں آسکتا۔" یہ سوچتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا۔ صلہ ایک لمحے کیلئے ٹھٹھک سی گئی۔ وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ وہ ہونٹ کاٹتی یہاں وہاں دیکھتی رہی۔ ان کے اپارٹمنٹ کے سامنے کی راہداری بالکل خالی تھی۔ وہ عجیب کشمکش میں مبتلا واپس مڑنے لگی تبھی اس کی نگاہ دروازے کے سامنے بچھے میٹ پر پڑی۔ وہاں کچھ پڑا دکھائی دیا۔ صلہ نے جھک کر وہ چیز اٹھائی اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ وہ خاکی رنگ کا پیکٹ تھا۔ پیکٹ پر اس کا نام لکھا تھا۔ صلہ نے ایک بار پھر غور سے راہداری میں دیکھا کہ شاید یہ پیکٹ چھوڑ کر جانے والا دکھائی دے جائے مگر افسوس، وہاں کوئی نہ دکھا۔ وہ کشمکش میں مبتلا دروازہ بند کرتی اندر آگئی۔

ان دونوں کو وہیں سوتا دیکھ وہ بیڈ روم میں چلی آئی۔ اسے حیرت ہوئی بھلا یہ پیکٹ کس نے بھیجا ہوگا؟ وہ سوچتی ہوئی پیکٹ کھولنے لگی۔ تہہ در تہہ کھلتی چلی گئی اور اندر سے ایک اور خاکی لفافہ نکلا، ساتھ ہی ایک نوٹ بھی۔ صلہ ہونٹ کاٹتی نوٹ کی تہیں کھولنے لگی، خاکی لفافہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ تہیں کھول کر اس نے نوٹ پڑھنا شروع کیا۔ وہ جیسے جیسے پڑھتی

گئی اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ وہاں لکھے ہر لفظ کے ساتھ اس کی آنکھوں کے تاثرات بدلتے چلے گئے۔ پہلے نا سمجھی، پھر بے یقینی، اس کے بعد آنسوؤں کا ایک ریلہ بہہ نکلا۔ وہ نوٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لہراتا ہوا زمین پر جا گرا۔

نوٹ میں شاہد بخاری کے قتل کی خبر تھی ساتھ ہی مقتول کا نام بھی درج تھا۔ صلہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بامشکل اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔ بھوری آنکھوں میں شدید تکلیف کا عنصر نمایاں دکھائی دینے لگا۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے میز پر رکھا لفافہ اٹھایا۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ لفافہ چاک کر کے اس نے اندر موجود چیز باہر نکالی۔ اندر کچھ تصویریں تھیں جو الٹی اس کے ہاتھ میں آئی تھیں۔ صلہ نے کانپتے ہاتھوں سے وہ تصویریں سیدھی کیں اور بس یوں لگا جیسے کسی نے اس کی روح کھینچ لی ہو۔ سب سے پہلی تصویر ہی شاہد بخاری کی لاش کی تھی۔ رسیوں میں جکڑا زخمی وجود بالکل ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ صلہ کو وہ ٹھنڈک اپنی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہوئی۔ اس کا چہرہ خوف کے مارے سفید پڑنے لگا۔ اس نے بمشکل دوسری تصویر دیکھنی چاہی اور بس ڈر کی لہر اس کے سینے میں یوں اٹھی کہ جھٹکے سے ساری تصویریں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایک ایک تصویر زمین پر بکھر گئی۔وہاں بکھری تصویروں میں شاہد کے سوا صرف ایک شخص تھا۔وہ شخص جو اس کیلیئے شاہد کے بعد سب سے زیادہ خاص تھا۔وہ شخص جو اس کی محبت تھا۔

وہ شخص جو اس کا شوہر تھا۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے ان تصویروں کو دیکھتی رہی۔کمرے میں یکدم ہی گھٹن سی ہو گئی تھی۔صلہ کو لگا جیسے کسی نے کمرے کی آکسیجن کھینچ کر نکال دی ہو۔

اس نے بہتی آنکھوں کے ساتھ اپنا سینہ مسلا۔اس کا سانس رک رہا تھا۔وہ گھبراہٹ کے مارے کپکپاتے قدموں سے کھڑی ہوئی۔

"کسی اپنے کو دور جاتے دیکھنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے نا"؟ کہیں دور سے اپنے ہی کہے جملے کانوں میں گونجنے لگے۔

"مگر اس سے بھی زیادہ تکلیف تب ہوتی ہے۔جب آپ کو پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ آپ کا اپنا آپ سے دور جانے والا ہے۔اور اس پر کرب تو یہ کہ آپ بے بس ہوں۔آپ کے ہاتھ بندھے ہوں۔آپ چاہ کر بھی کچھ نہ کر سکیں۔"

وہ لمبی لمبی سانس اندر کھینچنے کی کوشش کرتی بالکنی کی جانب بڑھنے لگی۔چند قدموں کا فیصلہ میلوں کا لگنے لگا۔

"مجھ پر ایک احسان کرو گے انسپکٹر؟"اس نے سمریز سے فریاد کی تھی۔

"تم صرف حکم کرو۔"اس نے کتنے مان سے کہا تھا۔صلہ کی آنکھوں سے نا جانے کتنے آنسو بہہ نکلے۔جو اس کے گال کو بھگوتے تھوڑی سے نیچے ٹپکنے لگے تھے۔

"شاہد بخاری کا قتل اپنے ہاتھوں سے مت کرنا،انسپکٹر۔بولو نا انسپکٹر؟ کہو کہ تم انہیں اپنے ہاتھوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔شاہد بخاری کو اپنے ہاتھوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"اس کے قدم بری طرح لڑکھڑائے۔سمریز نے جو مان تھمایا تھا،وہ بری طرح کچل بھی دیا تھا۔اس نے بڑی دکت سے خود کو سنبھالا۔بالکنی کے دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے لمبی سانس بھرنے کی کوشش کی اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنا چاہا۔بالکنی کا دروازہ کھلا تو ٹھنڈی یخ ہوا اس کے وجود سے ٹکرائی۔اس نے منہ باہر نکال کر سانس لینی چاہی مگر نہیں دھرتی کی ہوا اس سے روٹھ چکی تھی۔یکدم ہی جیسے اسے احساس ہوا کہ آکسیجن کی قلت نہیں ہے۔یہ تو اس کا وجود ہے جو سانس نہیں لے پا رہا۔وہ گرتی پڑتی واپس بیڈ تک پہنچی۔کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے سائیڈ دراز کھولی اور انہیلر نکالا۔اس نے فوراً ہی انہیلر منہ کو لگایا اور زمین پر بیڈ کے ساتھ ٹیک لگاتی بیٹھتی چلی گئی۔آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ اس نے سانس اندر کھینچی۔آہستہ آہستہ اس کا سانس بحال ہوا مگر سینے میں اٹھتا درد کم نہ ہو سکا۔

ناجانے کتنی دیر وہ یوں ہی تنہا بیٹھی خاموش آنسو بہاتی رہی۔اس کے اندر دل کی گہرائیوں میں کچھ بہت خاص تھا جو ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔تکلیف بہت شدید تھی۔یوں جیسے روح کھینچ رہی ہو۔

کافی دیر بعد اس کے آنسو دھیرے دھیرے خشک ہونے لگے۔سسکیاں مدھم پڑنے لگیں اور پھر ان بھوری آنکھوں میں غصے کی تیز لہر دوڑ گئی۔

oooooooooooooooo

تابش صبح اٹھ کر باہر آیا تو خوش گپیوں کی آوازیں اس کے کانوں میں رس گھول گئیں۔وہ حیرانی سے دیکھنے لگا۔یہ سب آوازیں کچن سے آ رہی تھیں۔وہ مسکراتے ہوئے کچن کی جانب بڑھ گیا۔کچن کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو سامنے ہی مریم اور امی کو کسی بات پر ہنستے ہوئے پایا۔

"چشمِ بدور! آج سورج کہاں سے نکلا ہے۔دونوں ساس بہو میں اتنی محبت!" وہ حیرانی سے آنکھیں پھیلائے بولا۔مریم اور امی دونوں نے ہی اسے دیکھا۔وہ رات والے کپڑوں میں ہی موجود تھا لیکن مریم جانتی تھی کہ وہ پورا کمرہ پھیلا کر آیا ہو گا۔

''ارے بھائی! آپ نے تو ابھی کچھ دیکھا ہی نہیں۔ میں تو کل شام ایسے ایسے جذباتی مناظر دیکھ چکی ہوں کہ بس۔'' میرب کچن کے ساتھ ملحقہ ٹیرس سے نکل کر آئی تھی، تابش کی بات پر فوراً بولی۔

''جذباتی مناظر؟'' تابش نے نا سمجھی سے پوچھا۔

''جی بالکل! کس طرح آپ کی بیوی نے اپنی دکھی کہانی سنا کر ہماری والدہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ بھائی قسم سے اتنا پیار تو امی نے مجھے ساری زندگی نہیں کیا ہو گا جتنا ایک دن میں مریم کو کر دیا۔'' میرب مصنوعی خفگی سے بولی۔ تابش نے ستائشی ابرو اٹھا کر مریم کو دیکھا۔ وہ جھینپ گئی۔

''میرب! بھابھی بولو۔ یہ مریم کیا ہوتا ہے؟'' امی اس کی خفگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسے ٹوک گئیں۔ تابش نے بھی سر ہلا کر ان کی تائید کی۔

''ہاں بھئی اب تو یہی ہو گا۔ آپ تینوں ایک ساتھ اور میرب کمال ہمیشہ کی طرح تنہا۔ پر خیر ہے کوئی بات نہیں انسان دنیا میں تنہا آیا ہے اور تنہا ہی جانا ہے۔ میں بھی ایسے ہی نکل لوں گی، ڈائیریکٹ اوپر۔'' اتنا کہتی وہ ہاتھ سے جہاز اڑانے کا اشارہ کرتی کبیرہ بیگم کو آگ لگا گئی۔

”کتنی بار کہا ہے ایسی بکواس نہیں کرتے، قبولیت کا وقت بھی ہو سکتا ہے۔“ کبیرہ بیگم ابھی غصے سے اس کی طرف بڑھی ہی تھیں کہ وہ فوراً باہر لپکی۔ تابش اور مریم میرب کی حرکتوں پر بے ساختہ ہنس دیے ساتھ ہی آگے بڑھ کر کبیرہ بیگم کو تھاما۔

”یہ لڑکی بھی نا...“ کبیرہ بیگم افسوس سے بولیں پھر خود بھی ہنس دیں۔ وہ ان کے گھر کی رونق تھی۔ سال میں کبھی اگر وہ بیمار ہو جاتی تو گھر سنا سنا سا ہو جاتا تھا۔ تابش کے والد کے انتقال کے بعد ان کے گھر میں پھیلا سناٹا مٹانے والی وہی تو تھی۔ بیٹیاں تو ہوتی ہی باغ میں پھولوں کی طرح ہیں، اگر مرجھا جائیں تو باغ کو ویران کر دیتے ہیں۔

ooooooooooooooooo

سمریز کی آنکھ کھلی تو گھر میں پھیلی خاموشی اسے ایک لمحے کیلئے کھٹکی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے ایک نظر اپنے ساتھ ہی لاؤنج کے فرش پر سوئے عالیان پر ڈالی۔ وہ ابھی بھی گہری نیند میں تھا۔ سمریز کی نگاہ صلہ کی تلاش میں پورے گھر میں دوڑنے لگی۔ وہ اسے کہیں دکھائی نہ دی۔

”شاید کمرے میں ہو گی۔“ وہ خود سے سوچتا کھڑا ہوا اور عالیان کو اٹھا کر صوفے پر لٹایا پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

اس کی امید کے مطابق صلہ کمرے میں ہی تھی۔ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ آیا۔

''تم یہاں ہو میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ کب اٹھی تھیں تم؟'' وہ عام سے انداز میں کہتا ہوا اس کے ساتھ ہی بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھے گیا۔ صلہ پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی۔

''تم یہاں فرش پر کیوں بیٹھی ہو؟'' سمریز نے پوچھا مگر جواب ندارد۔ سمریز کی نگاہ صلہ کے ہاتھ میں موجود انہیلر پر گئی۔ وہ ٹھٹک سا گیا۔

''صلہ، کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ یہ انہیلر...'' سمریز نے پریشانی سے پوچھا مگر صلہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''صلہ! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' سمریز نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔

''کاش! تم مجھ سے کبھی بات نہ کرتے۔'' اس کی آواز کہیں بہت دور سے آئی تھی۔ نگاہ اب تک نہیں اٹھائی تھی مگر ان نگاہوں کے پیچھے وہ پہلی ملاقات کا منظر جھلملا یا تھا۔ سمریز کو یکدم ہی کسی گڑ بڑ کا احساس ہوا۔

''کیا مطلب ہے صلہ؟ آخر ہوا کیا ہے؟'' سمریز پریشانی سے بولا۔

"سچ میں سمریز! ابھی بھی تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ ہوا کیا ہے؟" صلہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، لفظوں میں تلخی بھری ہوئی تھی۔ سمریز ایک لمحے کیلئے اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں میں دیکھتا رہ گیا۔

"کیا مطلب؟ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟ میں سمجھ نہیں پا رہا۔" سمریز اس کی آنکھوں میں موجود سرخی کو بغور دیکھتے بولا۔

"تم کل رات کہاں گئے تھے؟" صلہ کے یکدم پوچھنے پر وہ چونکا۔

"میں کہاں گیا تھا؟ میں تو یہیں تھا تم لوگوں کے ساتھ۔" سمریز کے جھوٹ پر وہ تلخی سے اسے دیکھے گئی۔

"تم کل رات بابا کے گھر گئے تھے نا؟" صلہ نے جیسے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ وہ جو سوچ رہا تھا کہ اسے کبھی معلوم نہیں ہونے دے گا یہاں ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"بتاؤ نا سمریز؟ تم وہاں گئے تھے نا۔ تم وہاں کیوں گئے تھے؟" صلہ کے لہجے میں غصہ تھا مگر اندر کہیں جیسے امید کی آخری چنگاری اب تک کل رہی تھی۔

"صلہ تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو؟ میں وہاں کیوں جاؤں گا بھلا۔" سمریز نے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔

"قتل کرنے۔" سمریز کا سانس رک گیا۔ صلہ کتنے آرام سے بولی تھی مگر ان الفاظ کے بوجھ سے اس کا دل پھٹنے کو تھا۔

"تم قتل کرنے گئے تھے نا سمریز؟ تم نے میرے مان، میرے بھروسے کا قتل کیا ہے نا؟ تم نے میرے باپ کا قتل کیا ہے نا؟" وہ اونچی آواز میں چلائی تھی۔ سرخ آنکھوں میں نمی بھرنے لگی۔ سمریز کے دماغ بھی سے اڑا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا تم سے کہ ایسا نہ کرنا۔ میں نے کہا تھا کہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں سمریز کیوں؟" وہ بری طرح رو دی تھی۔ سمریز بالکل ساکت سا بیٹھا رہا، الفاظ جیسے ختم ہو چکے تھے۔

"میں، میں نے بھروسہ کیا تھا تم پر۔ مجھے یقین تھا تم میری بات کا مان رکھو گے۔ مجھے پورا یقین تھا لیکن... لیکن تم نے سب ختم کر دیا۔ ہمارے بیچ ہمیشہ سے ایک بھروسہ رہا تھا سمریز۔ یہ بھروسہ اور مان ہی تو تھا کہ ہم اس رشتے میں آگے بڑھے تھے مگر... مگر تم نے وہ مان توڑ دیا۔" چلانے کے باعث اس کا گلا درد کرنے لگا تھا۔ سمریز جو پریشان سا اسے دیکھ رہا تھا آہستگی سے اس کے قریب ہوا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"صلہ! میری بات سنو میں..." سمریز کے قریب آنے پر صلہ جھٹکے سے اس سے دور ہوئی تھی۔ فرش سے اٹھتی وہ سامنے کھڑی ہو گئی۔

"نو! مجھے... مجھے ہاتھ مت لگانا سمریز! مجھے ان خون آلود ہاتھوں سے بالکل مت چھونا۔" صلہ کے یوں دور ہونے پر سمریز کو شدید رنج ہوا تھا۔

"تمہارے ہاتھوں پر لگا خون میرے باپ کا ہے۔ مجھے... مجھے اس وقت تم سے گھن آ رہی ہے۔ سمریز چاہے وہ کتنا ہی برا کیا نہ ہو پر وہ میرا باپ تھا۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں... میں تمہیں اس کیلئے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ سنا تم نے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ اس کے سامنے کھڑی گلا پھاڑ کر چلائی۔ مسلسل چیخنے کے باعث اس کے گلے کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

"صلہ! تم میری بات تو سنو یار! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں میں نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔" سمریز بھی فرش سے اٹھا۔ جیسے ہی وہ اس کے قریب آیا صلہ پھر سے دور ہوئی۔ ان دونوں کی آوازوں سے عالیان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ آنکھیں مسلتا کمرے میں آیا مگر ان دونوں کو چلاتا دیکھ دروازے پر ہی ساکن ہو گیا۔ ننھا سا دل خوف سے سکڑنے لگا تھا۔

Clubb of Quality Content

”صلہ! میرا یقین کرو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ سمریز نے ایک بار پھر صفائی پیش کی مگر صلہ سرخ نگاہوں سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم مجھے پاگل بنا رہے ہو۔ سمریز میں تم سے محبت ضرور کرتی ہوں مگر میں بیوقوف نہیں ہوں جو تمہاری جھوٹی باتوں میں آ جاؤں۔“ وہ پھر بے بسی سے چلائی۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں یار میں نے واقعی کچھ نہیں کیا۔ میں...“ وہ ابھی آگے کچھ کہتا کہ صلہ جلدی سے آگے بڑھی۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر پڑا وہ کاغذ اٹھایا اور ساتھ ہی وہ تصویریں بھی جنھیں وہ زمین سے اکھٹا کر کے میز پر رکھ چکی تھی۔ سمریز الجھن سے اسے دیکھنے لگا۔

”کچھ نہیں کیا تم نے، ہاں؟ کچھ نہیں کیا نہ؟ تو پھر یہ سب کیا ہے؟“ صلہ اس کے سامنے آئی اور زور سے وہ چیزیں اس کے سینے پر ماریں۔ سمریز کا دماغ جیسے ایک لمحے کیلئے کام کرنا چھوڑ گیا۔ وہ شاہد بخاری کی ڈیڈ باڈی کی تصویریں تھیں۔ ان میں سی سی ٹی وی فوٹیج سے لی گئی تصویریں بھی تھیں جن میں سمریز گھر سے باہر نکلتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں تاریخ اور وقت واضح تھا۔ سمریز دو لمحے سانس روکے ان تصویروں کو دیکھے گیا۔

”کیا اب بھی تم یہی کہوں گے کہ تم نے کچھ نہیں کیا؟“ صلہ نے بے بسی سے اس کے سینے پر مکا مارا۔

"بولو! کیا اب بھی یہی کہو گے کہ تم بے قصور ہو؟ بتاؤ نا سمریز؟ کیا اب بھی یہی کہو گے کہ تم میرے باپ کے قاتل نہیں ہو؟" وہ مسلسل اس کے سینے پر مکے برسا رہی تھی۔ سمریز نے جیسے اپنا جسم بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔اس کے ہر مکے کے ساتھ وہ دو قدم پیچھے ہوتا تھا۔ سر جھکائے وہ بس اس کی ہر مار برداشت کرتا رہا۔

"یا پھر یہ کہو گے کہ ان لوگوں نے تمہیں دوبارہ ہپناٹائز کر دیا تھا۔ان لوگوں نے تمہیں ہپناٹائز کر کے بابا کو مارنے کیلئے بھیج دیا ہاں؟ یہ کہو گے کیا؟" صلہ دیوانہ وار اسے مارتی چلی گئی۔ وہ بالکل پاگل ہو رہی تھی۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ سمریز ایسا کر سکتا ہے۔ صلہ کے مسلسل سمریز کو مارنے پر دور کھڑا عالیان خوف کے مارے رو دیا۔ اس نے آج سے پہلے کبھی ان دونوں کو یوں لڑتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں چھوٹی سے چھوٹی بحث بھی اس کی غیر موجودگی میں کرتے تھے۔ عالیان کانپتے قدموں کے ساتھ ان کی جانب بڑھا۔ پھر روتے ہوئے اس نے صلہ کے گرد بازو باندھ کر اپنا سر اس کے پیٹ سے ٹکا دیا۔ ایک لمحے کیلئے وہ بالکل ساکن رہ گئی۔ سمریز کو مارتے ہاتھ وہیں ٹھہر گئے۔ اس نے عالیان کو دور کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر وہ اسے خود سے دور نہیں کر پائی۔

وہ رو رہا تھا، وہ اپنا سر اس سے ٹکائے بری طرح رو رہا تھا۔ صلہ کی انکھوں سے اپنے آنسو بھی روانی سے بہنے لگے۔

"بابا کو نہ ماریں۔ پلیز ماما، میرے بابا کو نہ ماریں۔ بابا کو درد ہو رہا ہے۔ وہ رو رہے ہیں انہیں نہ ماریں۔" وہ روتے ہوئے اس سے فریاد کرنے لگا۔ صلہ کے ہاتھ جو سمریز کے گریبان پر تھے وہ ڈھیلے پڑ گئے۔ سمریز نے بھی عالیان کی آواز پر سر اٹھایا تھا۔ وہ ننھا سا بچہ بری طرح ڈرا ہوا تھا۔ صلہ نے اپنے دونوں ہاتھ عالیان کے گرد باندھے نگاہیں اب بھی سمریز پر تھیں۔ سمریز کی نگاہیں کچھ کہہ رہی تھیں، کوئی التجا، کوئی فریاد کرنا چاہ رہی تھیں مگر اسے اس وقت ان آنکھوں سے برا کچھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بس تیز تنفس اور تنفر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"صلہ تم ایزی ہو جاؤ۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" سمریز ہاتھ ہوا میں بلند کیے اسے پر سکون ہونے کا کہنے لگا۔ صلہ تلخی سے مسکرائی، شدید تکلیف تھی اس ایک مسکراہٹ میں، ساتھ ہی اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں سمریز، اب بات کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ میں نے اس معاملے میں صرف بات نہیں فریاد کی تھی تم سے۔ میں نے اپنے باپ کی جان کیلئے فریاد کی تھی مگر تم نے کیا کیا؟ سب

ختم کر دیا۔" وہ بے بسی سے بولی، یوں جیسے اس بات سے دل تڑپا ہو مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ ہو۔

"صلہ..."

"نہیں سمریز اب کچھ بھی نہیں۔ اب مزید کچھ بھی نہیں بچا۔" سمریز بھاری دل اور پریشان نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ صلہ ایک لمحے کیلئے رکی۔ زبان جیسے اگلے لفظوں کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہوئی تھی پھر وہ ہمت کرتی دھیرے سے بولی۔

"اب ہم ساتھ... نہیں رہ سکتے۔" زبان لڑکھڑائی تھی اور شاید قدم بھی مگر وہ خود کو سنبھالتی جملہ مکمل کر گئی۔ ساتھ ہی عالیان کے بازو خود سے جدا کیے اور الماری کی طرف بڑھی۔

"صلہ! تم اوور ریئکٹ کر رہی ہو میری بات تو سنو یار۔" وہ پیچھے سے بے بسی کے مارے چلایا۔ صلہ کے قدم تھمے وہ جھٹکے سے مڑی۔

"میں اوور ریئکٹ کر رہی ہوں، میں! سمریز تم نے جس شخص کو مارا ہے وہ میرا باپ تھا۔ وہ باپ جس نے مجھے پال پوس کر تمہارے حوالے کیا تھا۔ وہ باپ جو مجھے اپنی ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا۔ وہ باپ جس نے مجھے ہمیشہ پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ میں اوور ریئکٹ کر رہی ہوں!" صلہ ایک بار پھر چلائی تھی۔ عالیان سہم کر ایک بار پھر اس کے

ساتھ چمٹ گیا۔ صلہ نے بے بسی سے آنکھیں بند کیں اور اپنے بازو مضبوطی سے اس کے گرد باندھے۔ وہ اس شخص سے اس وقت شدید نفرت محسوس کر رہی تھی مگر اسی کی اولاد کو تحفظ بھی دے رہی تھی۔ وہ واقعی اس کی ماں تھی۔ جنم نہیں دیا تھا مگر ہاں دل کا ایک حصہ صرف اس کے نام تھا۔

"سب ٹھیک ہے عالی! پریشان مت ہوں ہاں! سب ٹھیک ہے۔" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے پیار بولی۔ سمریز نے گہری سانس بھر کر خود کو پر سکون کرنا چاہا۔

"دیکھو صلہ یہ سب سچ نہیں ہے۔ یہ تصویریں، یہ قتل یہ سب ویسا نہیں ہے جیسا تمہیں دکھایا جا رہا ہے۔ صلہ میں نہیں جانتا کیوں پر وہ لوگ تمہیں مجھ سے متنفر کرنا چاہ رہے ہیں۔" سمریز محتاط لہجے میں بولتا اسے سمجھانے لگا۔

"تو تم کہنا چاہ رہے ہو کہ یہ تصویریں جھوٹی ہیں۔ تم کل رات وہاں نہیں گئے تھے، ہاں؟" صلہ کی بات پر سمریز نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا پھر دھیرے سے کہنے لگا۔

"دیکھو! میں وہاں گیا ضرور تھا۔ یہ تصویریں یہ سب سچ ہیں۔" صلہ کے دل میں کچھ بری طرح ٹوٹا۔ سمریز آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی دنیا جیسے بہری ہونے لگی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”میں نے شاہد بخاری کو مارنا بھی چاہا تھا مگر میں... میں ایسا کر نہیں سکا تھا۔ سچ میں صلہ، میں واقعی انہیں بنا کچھ کہے لوٹ آیا تھا۔ میں ان پر وار کرنے لگا تو دل میں بہت شدید درد اٹھا تھا۔ تم مجھے چھوڑ نہ جاؤ یہ سوچ ہی مجھے تڑپا گئی تھی۔ میرے ہر بدلے، ہر انتقام سے بڑھ کر تمہارا میرا ساتھ میرے لیے سب سے اہم ہے۔“ سمریز کی باتیں صلہ کے مطمئن نہیں کر سکیں۔ کرتی بھی کیسے اس کا دل تو بس ایک ہی بات پر اٹک گیا تھا۔ وہ وہاں گیا تھا۔ وہ واقعی اس کے باپ کو مارنے گیا تھا۔ وہ وعدہ توڑ کر، مان توڑ کر وہاں گیا تھا۔ اور کیا پتہ وہ قتل بھی کر کے آیا ہو اور اب جھوٹ بول کر بچنا چاہ رہا ہو۔

”مجھے تم پر ایک فیصد بھی یقین نہیں رہا سمریز۔ تم ہمارے بیچ موجود بھروسے اور اعتماد کی ساری ڈوریں کاٹ چکے ہو۔“ وہ ہر لفظ الگ الگ ادا کرتی مڑ گئی۔ عالیان کو دھیرے سے خود سے جدا کیا تھا۔ سمریز پیچھے خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا۔ صلہ نے الماری سے ایک ایک کر کے اپنے سارے کپڑے نکالے۔ وہ اپنا سارا سامان ایک سوٹ کیس میں ٹھونستی چلی گئی۔ عالیان آنسو بہاتا گھر میں ہوتا سارا تماشہ دیکھے گیا۔ سمریز مسلسل اسے سمجھانے کی تگ و دو میں لگا تھا مگر صلہ اس کی ایک بات بھی ماننے کو تیار نہ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ سوٹ کیس بند کرتی اسے گھسیٹتے ہوئے باہر بڑھی۔عالیان اسے باہر کی جانب جاتے دیکھ تڑپ کر اس کے پیچھے بڑھا۔

ماما! ماما آپ نے جائیں۔پلیز ماما! دیکھیں بابا، بابا بھی رو رہے ہیں۔پلیز نہ جائیں ماما۔وہ صلہ کے چلے جانے کے خیال سے تڑپ ہی اٹھا تھا۔صلہ بھاری دل سے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی۔دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے۔

مجھے جانا ہو گا عالی۔پر میں وعدہ کرتی ہوں میں روز تم سے ملنے تمہارے سکول آیا کروں گی۔

صلہ نے ایک ہاتھ سے اس کے سرخ گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔سمریز خود بھی ڈوبتے دل سے اپنا آشیاں بکھرتا دیکھ رہا تھا۔

نہیں ماما۔پلیز مت جائیں۔میری پہلی ماما بھی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں اب آپ نہ جائیں۔ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے مجھے اپنی ماما کے ساتھ رہنا ہے۔بابا پلیز ماما کو روک لیں۔عالیان کی بات پر ان دونوں نے ہی آنکھیں میچی تھیں۔وہ ہمیشہ یہی سوچتے تھے کہ ثناء کے جانے پر عالیان بہت چھوٹا تھا اسے بھلا وہ کیسے یاد ہو گی۔مگر نہیں بھلا ماں کو کون بھول سکتا ہے۔

عالیان مجھے جانا ہو گا میری جان۔ماما یہاں نہیں رہ سکتیں۔ماما کی یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔

صلہ نے اس کے سسکتے وجود کو سینے سے لگا لیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نہیں میں... میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا ماما۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔ عالیان کے یکدم کہنے پر ایک طرف کھڑے سمریز کی آنکھیں پھیلیں۔ صلہ بھی ساکت ہوئی تھی۔

میرے ساتھ... صلہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی عالیان نے فوراً اثبات میں زور زور سے سر ہلایا۔

اچھا ٹھیک ہے۔ میں اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ صلہ جلدی سے اٹھی اور واپس کمرے کی طرف بڑھی۔ اس نے جلدی جلدی ہی عالیان کا کچھ سامان سمیٹا اور باہر آ گئی۔ اس سارے وقت میں عالیان اس کے ساتھ رہا تھا۔ اس کی قمیض کا ایک کونا تھامے وہ جیسے اسے ایک لمحے کیلئے بھی خود سے دور نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

دوسری جانب سمریز دور کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ صلہ کمرے سے نکلنے لگی تو اس نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی۔

مت جاؤ صلہ، پلز۔ میں سب کہہ رہا ہوں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ عالیان بیٹا اپنی ماما سے کہو مت جائیں۔ بیٹا اپنے بابا کو یوں چھوڑ کر مت جاؤ۔ سمریز بے بسی سے بولا۔ صلہ نے اس کی بات پر کان بھی نہ دھرے البتہ عالیان التجائیں نگاہوں سے صلہ کو دیکھنے لگا۔

صلہ بنا اس کی ایک بھی بات سنے باہر نکل گئی۔ عالیان نے جاتے جاتے تک کر ایک لمحے کو باپ کی طرف دیکھا۔ سمریز کو یوں تنہا چھوڑ کر جاتے ہوئے اس کا دل تڑپ رہا تھا مگر وہ مجبور تھا۔ وہ ماں کو پہلے بھی ایک بار کھو چکا تھا دوبارہ نہیں کھونا چاہتا تھا مگر باپ کو چھوڑنے کا احساس بھی بہت بھاری تھا۔ ماں باپ کے جھگڑے میں نقصان ہمیشہ سے اولاد کا ہی ہوتا آیا ہے اور آج یہاں بھی یہی ہو رہا تھا۔

ooooooooooooooooooo

وہ اپنے بیڈروم میں کھڑا تھا۔ ہلکی نیلے پینٹ کوٹ میں ملبوس، بال سلیقے سے پیچھے کو جمائے، چہرے پر سنجیدہ تاثرات لیے خود کو تکتا ہوا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے گھڑی اٹھائی اور اپنی مضبوط کلائی میں باندھی۔ تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔ اس نے نگاہ نہ اٹھائی، بس خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔ نو وارد آ کر اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ کمرے کی فضاء میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یوں جیسے الوداعی کلمات میں چھپی غیر محسوس سی اداسی ہو۔ یوں جیسے کمرے کی ہر ایک چیز اپنے مالک کے چلے جانے کی سوچ سے ہی خاموش، نادیدہ آنسو بہا رہی ہو۔

''سر! آپ کا کام ہو گیا ہے۔ وہ خط شاہد بخاری کی بیٹی تک پہنچا دیا گیا ہے۔'' آواز پر گھڑی پہنتے اس کے ہاتھ تھمے، ساتھ ہی ایک گہری مسکراہٹ لبوں پر سجی۔

''بہترین! اور آگے کیا ہوا؟'' میکال نے پر جوش انداز میں پوچھا۔ ساتھ ہی نیلی آنکھوں سے شیشے میں ابھرتا سراج احمد کا عکس دیکھا۔

''سر ہمارے پلان کے مطابق وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے ساتھ ہی اس کے بیٹے کو بھی لے گئی ہے۔'' سراج احمد کی بات پر میکال نے ستائشی ابرو اٹھائی اور مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ میکال کے چہرے پر فتح کی گہری مسکراہٹ تھی۔

''ویری، ویری گڈ! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے سراج احمد۔ مجھے یقین تھا اس وار سے سمریز کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ کیا حالت ہی اس کی؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''گھر میں بند ہے۔ نہ تھانے کیلئے نکلا نہ ہی بیوی اور بچے کے پیچھے گیا۔ لازمی اس کی ذہنی حالت بے حد خراب ہو گی اس وقت۔'' سراج کی بات پر اس نے ہنستے ہوئے سر ہلایا پھر آئینے کی جانب مڑا۔ اپنا کوٹ درست کیا اور شرٹ کے بٹن چیک کیے۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم کی شیشی اٹھائی۔

''اب وقت ہے اگلا خط سمریز کو بھیجو۔'' اس نے پرفیوم خود پر چھڑکتے کہا۔

"مجھے خط بھیج کر ڈرانا چاہتا تھا نا۔ اب دیکھنا کیسے میرے ایک خط پر کتے کی طرح دم ہلاتا میرے پیچھے آئے گا۔ پھر آئے گا اصل مزہ۔" اسی کے ساتھ اس کے چہرے کی مسکراہٹ زائل ہوئی اور وہاں گہری سنجیدگی چھاتی چلی گئی۔ سراج نے فرمانبرداری سے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گیا۔

میکال نے پرفیوم کی شیشی واپس رکھی۔ دونوں ہاتھ ڈریسنگ ٹیبل پر جما کر وہ شیشے میں ابھرتے اپنے عکس کے قریب ہوا، آنکھیں اپنے ہی عکس پر گاڑھے، وہ دھیرے سے بولنا شروع ہوا، یوں جیسے اس کے کان میں کوئی سرگوشی کرنا چاہتا ہو۔

"تم میری بچپن کی پہلی نفرت تھے سمریز بخاری۔ تم وہ شخص تھے جس کی آمد سے میرے دل نے حسد کرنی سیکھی تھی۔ تم وہ شخص تھے جس کے مرنے کی دعائیں نے شدت سے کی تھی۔ تم سے بدلہ لینے کا وقت ہوا چاہتا ہے چھوٹے بھائی۔" اسی کے ساتھ اس نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ تکلیف سے بھرپور، اذیت میں لپٹا، کڑواہٹ سے بھرپور خوفناک قہقہہ۔ اور پھر وہ دیوانوں کی طرح ہنستا چلا گیا۔ کمرے کی ہر شہ ایک لمحے کیلئے سانس روک گئی۔ ان کے مالک کا یہ چہرہ بہت بھیانک ہوا کرتا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کوئی نارمل انسان نہ لگتا تھا۔ اس پر پاگلوں کا سا گمان ہوتا تھا۔

oooooooooooooo

سمریز ابھی تک اسی بکھرے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔اس کی اپنی حالت بھی بکھری ہوئی تھی۔

رات کے سلوٹ زدہ کپڑے،ماتھے پر بکھرے بال،اور چہرے پر چھائی اذیت ناک

سنجیدگی۔وہ واقعی اذیت میں تھا۔صلہ کا چلے جانا جتنا غیر متوقع اور تکلیف دہ تھا اتنا ہی دھچکا

اسے شاہد بخاری کی ڈیڈ باڈی کی تصویر دیکھ کر لگا تھا۔اسے اچھے سے یاد تھا کہ کل رات جب

اس نے انہیں چاقو مارنا چاہا تھا تو عین وقت پر اس کا دل اسے دغا دے گیا۔

سمریز نے جونہی چاقو اس کے سینے میں اتارنا چاہا عین اسی وقت اس کی آنکھوں کے سامنے

ایک چہرہ لہرایا تھا۔وہ چہرہ جواب اس کیلئے سب سے خاص تھا۔وہ چہرہ جواب اس کی آنکھوں کا

سکون تھا۔مگر اس چہرے پر آنسو تھے،بے تحاشہ آنسو اور وہ تڑپتے ہوئے اسے رکنے کا کہہ

رہی تھی۔وہ اس سے منت کر رہی تھی۔پھر محبوب کی منت پر کوئی دل کیسے نرم نہ ہوتا؟

سمریز نے نگاہیں جھکا لیں،مات قبول کر لی اور ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیے۔ایک بار اس نے خواب

اور انتقام میں سے انتقام کو چنا تھا اور آج اس نے انتقام اور محبت میں سے محبت کو چن لیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شاہد بخاری توڑ سے آنکھیں میچ گئے تھے، کوئی تکلیف محسوس نا ہونے پر انہوں نے دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ سمریز ہاتھ پہلو میں گرائے بے بس نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ شاہد بخاری اس کی بے بسی کی وجہ سمجھ نہ پائے۔

"میں تمہیں مارنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے تمہاری یہ سانسیں واقعی چھیننا چاہتا ہوں مگر... مگر افسوس کہ میں کر نہیں سکتا۔ میرے لیے تم سے زیادہ اہم میری بیوی ہے۔" وہ ایک لمحے کو رکا پھر سر جھکا کر دھیرے سے بولا۔

"جس نے مجھ پر اندھا یقین کیا ہے۔ میں اس کے یقین کو توڑنا نہیں چاہتا۔" اس کے لہجے میں تکلیف بھی تھی اور رنج بھی مگر اندر کہیں دل کو ایک ڈھارس بھی ملی تھی۔ صلہ اس کے ساتھ ہوگی، ہمیشہ، ہمیشہ کیلئے۔ یہ خیال سب سے خوبصورت تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر شاہد کو دیکھا۔

"مگر یہ مت سمجھنا میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے شاہد بخاری۔ تم معافی کے قابل نہیں ہو۔ میں تمہاری جان ضرور بخش رہا ہوں مگر میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ اگر تمہاری جان نہیں لے سکتا تو کیا میں تمہیں زندہ رکھ کر قید میں رکھوں گا۔ ایسی قید کہ تم موت مانگو گے۔"

وہ غصے سے کہتا اس کی رسیاں کھولنے لگا جب شاہد کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں جانتا تھا تم مجھے نہیں مار سکو گے۔ تم مجھے مار سکتے ہی نہیں تھے۔ تم تو رشتوں سے محبت کرتے ہو۔ بھلا اپنے سگے ماموں کو کیسے مار سکتے تھے!" شاہد کی بات پر سمریز کا دماغ دو لمحوں کیلئے سن ہو گیا۔ کیا بولا تھا اس نے؟ وہ نا سمجھی سے اس کی طرف پلٹا۔ شاہد اسے دیکھتے ہوئے آسودہ سا مسکرا رہے تھے۔

"ہاں! میں تمہاری مرحوم ماں کا سگا بھائی ہوں۔ میں صرف تمہارے باپ کا چچازاد ہی نہیں، تمہارا سگا ماموں بھی ہوں۔ بالکل ایسے ہی جیسے عالمگیر تمہارا چاچو تھا۔" عالمگیر کا نام لیتے ہوئے شاہد ایک لمحے کیلئے گھبرائے تھے کہ کہیں سمریز دوبارہ غصے سے ان پر جھپٹ نہ پڑے۔ مگر وہ تو سن سا کھڑا تھا۔ بے یقینی سے انہیں تکتا ہوا۔

"میں نے تم سے بڑا منافق ساری زندگی نہیں دیکھا شاہد بخاری۔ تم تو رشتوں کو بھی منافقت سے نبھاتے ہو۔ خدا تم پر اپنا غضب نازل کرے شاہد بخاری۔ خدا تم پر غضب نازل کرے۔" وہ غصے سے کہتا پلٹا اور تیز تیز قدم لیتا باہر نکل گیا۔ پیچھے وہ اپنی ڈھیلی ہوئی رسیاں کھولنے لگا۔

وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا اس نے شاہد کی جان بخش دی تھی مگر پھر یہ تصاویر... کیا شاہد کو واقعی جان سے مار دیا گیا تھا اور اگر ہاں، تو یہ سب اس پر پلانٹ کون کر رہا تھا۔

کیا اس کے پیچھے میکال کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟اس نے خود سے سوال کیا۔دماغ کی شریانیں پھٹنے والی ہو رہی تھیں۔اسے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔کل رات تک اس کا گھر رونق سے بھرپور تھا اور آج اچانک جیسے ہر طرف ویرانی پھیل گئی تھی۔اس کا دل چیخنے کو چاہ رہا تھا۔آخر یہ کھیل،آخر یہ انتقام کب تک چلنا تھا؟وہ تھک چکا تھا۔وہ بار بار اپنی گھر اجڑتا دیکھ بری طرح تھک چکا تھا۔اسے سکون چاہیے تھا۔اسے اپنی فیملی واپس چاہیے تھی۔وہ کیا کرے؟وہ کیسے سب کچھ ٹھیک کرے؟ذہن میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

اسے وہاں بیٹھے بیٹھے کتنا ہی وقت بیت چکا تھا۔مگر نہ تو دل کی ویرانی دور ہو رہی تھی اور نہ ہی کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا۔تبھی اس کی سماعتوں میں اذان کی آواز گونجی۔

اللہ اکبر!اللہ اکبر!

اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔

اس کے انتشار سے بھرے ذہن میں یہ الفاظ واضح طور پر گونجے۔اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر زوردار تھپڑ مارا ہو۔جانتے ہو کیوں؟کیونکہ بجلی کی مانند اس کے ذہن میں ایک خیال کوند کر آیا تھا۔وہ سکون کا متلاشی تھا مگر اسے نہیں یاد کہ اس نے پچھلے ایک مہینے

Clubb of Quality Content!

میں ایک بھی نماز پڑھی ہو۔ وہ اپنے انتقام میں اتنا ڈوب چکا تھا کہ بس خود کو عظیم سمجھ بیٹھا تھا۔

وہ بھول چکا تھا کہ اذان ہی وہی آواز تھی جو اسے ہوش میں لائی تھی۔ یہ وہی آواز تھی جس نے اسے اس گھنونے کھیل سے بچایا تھا۔ انسان ایسا ہی ہوتا ہے نا، جب تک ہر راستہ بند نہ ہو جائے خدا کو بھلائے رکھتا ہے۔

اچانک ہی اس کا دل تڑپ اٹھا شدت کے ساتھ، اپنے رب کے حضور سجدہ کرنے کیلئے، اس کے سامنے جھکنے کیلئے جو واقعی عظیم ہے، جو واقعی راستہ دکھانے والا ہے۔

سمریز بنا ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ کمرے میں گیا اور واش روم میں گھس کر فوراً وضو کیا۔ وضو کر کے واپس آیا تو جائے نماز ڈھونڈنے لگا۔ اس نے پورا کمرہ چھان مارا مگر جائے نماز نہ دکھا۔ پھر جیسے اسے یاد آیا کہ صلہ ہمیشہ دوسرے کمرے میں نماز پڑھتی تھی۔ وہ فوراً اس کمرے کی جانب بھاگا۔ اس کمرے میں ایک الگ ہی سکون تھا۔ ہر چیز سلیقے سے سمٹی ہوئی اپنی جگہ پر رکھی تھی اور کھڑکی پر گرے سفید کرٹنز سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی۔ وہ آگے بڑھا تو اسے الماری میں سامنے سامنے ہی جائے نماز پڑا دکھائی دے گیا۔ اس نے فوراً وہ جائے نماز اٹھایا اور زمین پر بچھا کر نماز شروع کر دی۔ پہلے پہل تو اسے اپنے دل پر شدید

بوجھ محسوس ہوا۔ وہ نادم تھا، بے حد نادم۔ کتنے ہی دنوں سے اسے رب یاد نہیں آیا تھا اور آج جب بے بسی محسوس ہوئی تو وہ اپنے مسلے کے حل کیلیئے رب کے حضور حاضر ہو گیا تھا۔ کتنا خود غرض ہے نا انسان، خدا کو بھی صرف اپنے مقصد کیلیئے یاد کرتا ہے۔

وہ بھاری دل سے نماز ادا کرتا رہا۔ آخری رکعت کے بعد سلام پھیرا اور جائے نماز پر ہی بیٹھا رہا۔ وہ ہمت جمع کر رہا تھا۔ وہ دعا کیلیئے ہاتھ اٹھانے کی ہمت جمع کر رہا تھا۔ وہ خدا سے کیسے مانگے؟ جب تک اسے سب کچھ اپنے ہاتھ میں لگا اس نے ایک بار بھی خدا کو یاد نہ کیا مگر اب اسے خدا یاد آ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گلے میں بنتا آنسوؤں کا گولا اندر نگلا پھر دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ ایک نظر اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ تو ہمیشہ سے خالی تھے مگر لگتا تھا کہ جیسے اسے بینائی اب ملی ہو۔ وہ تو ہمیشہ سے بے بس تھا یہ تو خدا ہی تھا جو اسے سنبھالے ہوئے تھا مگر یوں لگا جیسے اس بات کا شعور اسے آج آیا ہو۔

اس نے ہمت مجتمع کر کے دھیرے سے ہاتھ اٹھائے۔ اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ پھر دھیرے سے لفظ ادا کرنے چاہے، زبان میں لڑکھڑاہٹ سی آ گئی۔

"یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔ یا اللہ مجھے میری نااہلی، میری سستی، میرے گناہوں کیلیئے معاف کر دے۔ میں جانتا ہوں میں بہت خود غرض ہوں۔ میں نے تجھے صرف ضرورت

کے وقت یاد کیا۔ میں واقعی بہت گناہگار ہوں میرے مالک مگر تیرا بندہ ہوں۔ میں تیرا بہت حقیر سا بندہ ہوں مجھے سکون دے دے میرے مالک۔ مجھے میری زندگی میں سکون دے دے۔" وہ اونچی آواز میں دعا کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگی تھیں۔

"یااللہ! مجھے میری بیوی اور میرا بیٹا واپس لوٹا دے۔ میں جانتا ہوں وہ دونوں ہی میرا اجر ہیں، وہی میرا سکون ہیں۔ مجھے میری فیملی واپس لوٹا دے۔ یااللہ! مجھے لگتا تھا کہ میں انتقام لے لوں گا تو ہر غم سے، ہر بے سکونی، ہر اذیت سے آزاد ہو جاؤں گا لیکن نہیں میرے اللہ میرا سکون بس وہ دونوں ہیں۔ یااللہ میں نے ساری زندگی ایک آباد گھر کا خواب دیکھا ہے۔ میں نے ایک مکمل فیملی کی خواہش کی ہے اور بے شک اس عورت کی دعاؤں کے نتیجے میں میرا خواب پورا بھی ہو گیا تھا مگر... مگر میرا انتقام سب کچھ لے ڈوبا۔ وہ مجھے اپنے باپ کا قاتل سمجھتی ہے لیکن تو تو جانتا ہے نا میں نے شاہد بخاری کا قتل نہیں کیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں اسے اپنی بے گناہی کا یقین کیسے دلواؤں۔ تو ہی میری مشکل آسان کر سکتا ہے تو ہی میری مدد فرما۔ میری مدد فرما میرے مالک۔ مجھے میرے گھر کا سکون لوٹا دے۔" وہ نا جانے کتنی دیر وہاں بیٹھا بلک بلک کر دعا کرتا رہا۔ وہ معافی کا طلب گار تھا، وہ سکون کا متلاشی تھا اور اسے خبر ہی نہیں تھی کہ اس کے امن کا مکتوب روانہ کر دیا گیا تھا۔

oooooooooooooooooo

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر باہر لاؤنج میں آگیا۔اس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔اس نے قریب جا کر دیکھا۔وہ تابش کی کال تھی۔اس نے فون اٹھالیا۔

"السلام علیکم سر! سر وہ مجھے کل کی چھٹی چاہیے تھی۔دراصل گھر والے کہیں جانے کا پلان کر رہے ہیں۔تو اگر ایک دن کی چھٹی مل جاتی..."

"ہاں ٹھیک ہے۔کر لو چھٹی۔" سمریز کا گلہ بیٹھا ہوا تھا۔وہ بمشکل بس اتنا ہی بول سکا۔

"جی سر۔ویسے سر سب خیریت ہے آپ کی آواز کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔" تابش نے پریشانی سے پوچھا۔

ایک لمحے کیلئے سمریز کا دل کیا کہ اسے بتا دے۔تابش اسے ہمیشہ سنتا تھا۔لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ تابش اس کی بات سننے کے بعد کبھی بھی اسے تنہا نہ چھوڑتا۔اس کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے اور وہ شادی کے بعد بھی مسلسل اس کے ساتھ کام میں لگا تھا۔نہ کبھی کوئی شکوہ کیا تھا نہ کبھی کوئی چھٹی مانگی۔آج پہلی بار وہ اپنی فیملی کیلئے ایک چھٹی مانگ رہا تھا تو اسے اچھا نہیں لگا کہ وہ اسے اپنے مسلوں میں گھسیٹ کر اسے بھی پریشانی میں مبتلا کرے۔اور چلو ان دونوں میں سے کسی کا گھر تو بسا ہوا تھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔ بس صبح سے گلا تھوڑا بیٹھا ہوا ہے۔ چلو فون رکھو اور انجوائے یور ٹائم۔" اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ کچھ لمحے اداسی سے خلا میں گھورتا رہا پھر سر ہاتھوں میں دے دیا۔ تبھی اچانک گھر کی ڈور بیل بجی۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا پھر گہری سانس بھرتا کھڑا ہوا۔ وہ بھاری قدموں کے ساتھ دروازے تک پہنچا۔ وہ اس وقت اتنا ڈپریسڈ تھا کہ اس نے بنا پوچھے ہی دروازہ کھول دیا مگر دروازے کے پار کوئی بھی موجود نہ تھا۔ راہداری بالکل خالی تھی۔ وہ ایک لمحے کیلئے ٹھٹکا پھر سر جھٹکتا اندر بڑھنے لگا۔ تبھی اس کی نگاہ دروازے کے ہینڈل میں اٹکے لفافے پر پڑی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ نکالا اور اسے لے کر اندر بڑھ گیا۔ جاتے جاتے اس نے ایک آخری نگاہ راہداری میں ڈالی مگر وہاں واقعی کوئی نہ تھا۔

میکال شاہنواز بخاری اپنے اس انڈر گراؤنڈ کاٹیج سے نکل کر ڈاکٹر مراد کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کی گاڑی ایک بڑی بلڈنگ کے باہر آکر رکی۔ وہ دونوں گاڑی سے نکلے تو سامنے ہی دو لوگ ان کے ویلکم کیلئے کھڑے تھے۔ وہ دونوں انہیں لے کر بلڈنگ کے اندر داخل ہوئے۔ وہ بلڈنگ بالکل سنسان پڑی تھی۔ یوں جیسے کافی عرصے سے وہاں کسی کا آنا جانا نہ ہو۔ وہ

Clubb of Quality Content

لوگ لفٹ کی طرف بڑھے۔انہوں نے لفٹ میں قدم رکھے،ایک شخص نے آگے بڑھ کر اوپری منزل کا بٹن پریس کیا۔لفٹ اوپر کی جانب بڑھنے لگی۔

"بلآخر تم یہ زندگی چھوڑ کر میرے ساتھ جانے کو تیار ہو ہی گئے۔میں بہت خوش ہوں میکال۔اب دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"ان کی بات پر میکال مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ کے پیچھے بھی ڈھیروں راز تھے۔

"اب سب واقعی ٹھیک ہو جائے گا"۔وہ دھیرے سے بولا۔ڈاکٹر مراد اس کی بات کا مطلب سمجھے بغیر مسکرا دیے۔

اندر جا کر اس نے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔یہ ویسا ہی لفافہ تھا جیسا صلہ نے اس کو دکھایا تھا۔ اس کے ذہن نے فوراً کام کیا۔اس نے جلدی سے لفافہ کھولا اور اندر جھانکا۔اس میں ایک کاغذ تھا۔سمریز نے وہ کاغذ نکالا۔اس پر کچھ لکھا تھا۔سمریز وہاں لکھے الفاظ پڑھنے لگا۔

"ایک آخری خط سمریز شاہنواز بخاری کے نام۔۔۔یہ نام...وہ بری طرح ٹھٹکا۔یہ نام تو سوائے اس کے کسی کو معلوم نہیں تھا۔یہ اس کا مکمل نام تھا مگر ہر کوئی اسے سمریز بخاری کے نام سے ہی جانتا تھا۔تو یہ کون تھا جو اسے مکمل نام سے جانتا تھا۔

"امید ہے تم اس وقت شدید پریشانی کے عالم میں ہوں گے اور اپنا پورا نام پڑھ کر حیرت زدہ بھی۔ لیکن یہ حیرت کچھ بھی نہیں، ابھی تو بہت کچھ حیران کر دینے والا باقی ہے۔ ابھی تو بہت سے راز، بہت سی پہچان باقی ہے۔" وہ جیسے جیسے پڑھتا جا رہا تھا اس کی پریشانی میں اضافی ہوتا جا رہا تھا۔

"کیا تم اس انتقام کے پیچھے کی وجہ جاننا چاہو گے؟ کیا تم اس قتل سے جڑے دو بڑے اشاروں کے استعمال کی وجہ جاننا چاہو گے؟

کیا تم بیلا چاؤ کے موسیقی اور سیاہ گلابوں کے سائے میں چھپے رازوں کو جاننا چاہو گے؟

کیا تم عالمگیر بخاری کی زندگی کا ایک اور راز جاننا چاہو گے؟ اور مجھے یقین ہے کہ یہ عالمگیر کی زندگی کا یہ راز تمہارے لیے بہت حیران کن ہونے والا ہے۔ تم اسے لازمی جاننا چاہو گے۔"

مکتوب بھیجنے والا جیسے پورے یقین سے کہہ رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر چلے آؤ میرے دیس، میرے شہر۔۔۔

وہ شہر جسے سیاہ گلابوں کی سرزمین کہا جاتا ہے۔۔۔

وہ شہر جو دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔۔۔

وہ شہر جہاں سے اس کھیل کا آغاز ہوا تھا۔۔۔

میں وہاں فرات کے پانیوں کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔ میں ہلفیتی کے میدان پر تمہارا منتظر ہوں۔ تم آؤ مجھ سے ملنے، میں تمہیں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ مگر اپنی سر زمین پر، جہاں تم تو کیا تمہارے اچھے بھی میکال شاہنواز کو چھو نہیں سکیں گے۔ تمہارا انتظار رہے گا۔۔۔"

اسی کے ساتھ وہ خط مکمل ہوا۔ سمریز نا جانے کتنی دیر وہ خط ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہا۔

"آخر یہ میکال ہے کیا چیز؟ آخر اس کی میرے سے دشمنی کیا ہے؟ میں تو اسے جانتا بھی نہیں، پھر وہ مجھ سے کونسی دشمنی نبھا رہا ہے؟ وہ میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتا ہے؟" ابھی پچھلی پریشانی کم نہ ہوئی تھی کہ ایک اور پہیلی اس کے سامنے سر اٹھائے کھڑی ہو گئی۔ لیکن اس بار پہیلیوں کا جواب دینے کیلئے میکال خود بیٹھا تھا۔

"کیا مجھے جانا چاہیے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ پھر تھک کر سر صوفے کی پشت پر ٹکائے آنکھیں موند گیا۔ کافی دیر وہ اس سب کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر بلآخر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اسے یہ کھیل ختم کرنا تھا اور اچھا تھا کہ وہ سب راز جان لے۔ تبھی وہ اس کھیل کی جڑیں کاٹ سکتا تھا۔ وہ صوفے سے کھڑا ہوا۔ اب کی بار اس کے قدموں میں تیزی تھی۔ اسے جانا تھا، اسے جلد از جلد ہلفیتی جانا تھا۔ مگر جانے سے پہلے ایک اور کام تھا جو مکمل کرنا

تھا۔شاید یہ کام ایک آخری کوشش تھی۔صلہ کی بدگمانی ختم کرنے کی ایک آخری کوشش۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔اس سیاہ کھیل کو ختم کرنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

لفٹ سب سے اوپری منزل پر جاکر ٹھہری۔وہ لوگ باہر نکلے۔سامنے ایک پرائیویٹ جیٹ ان کا منتظر تھا۔ڈاکٹر مراد اپنے ساتھ کھڑے بندے سے کچھ بات کرنے میں مصروف ہو گئے۔میکال یوں ہی ارد گرد نگاہ دوڑاتا رہا۔وہ بلڈنگ کی بڑی سی چھت تھی۔آس پاس بہت سے لوگ ہاتھوں میں گن لیے کھڑے تھے۔پرائیویٹ جیٹ سے ایک شخص نکل کر باہر آیا۔اس نے پائلٹ کا یونیفارم پہن رکھا تھا۔وہ انہی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"گڈایوننگ سر!" پائلٹ نے آکر ڈاکٹر مراد سے ہاتھ ملایا۔

"گڈایوننگ!سب ریڈی ہے نا؟"

"یس سر!بس آپ کے آرڈر کا انتظار ہے۔" پائلٹ کی بات پر ڈاکٹر مراد نے سر ہلا دیا۔

میکال کیلئے یہ سب نیا نہیں تھا وہ اکثر ہی ڈاکٹر مراد کا پرائیویٹ جیٹ استعمال کیا کرتا تھا۔

”ٹھیک ہے۔نکلتے ہیں پھر...“اور اسے کے ساتھ وہ لوگ ہلفیتی کیلیئے پرواز بھر گئے۔وہ زمین جہاں سے اس کہانی کا آغاز ہوا تھا،وہ زمین جہاں اس کہانی کا انت لکھا تھا۔کیا تم سب ہلفیتی کی زمین پر قدم رکھنے کیلیئے تیار ہو؟

oooooooooooooooooo

وہ میکال کے کہنے کے عین مطابق ہلفیتی کیلیئے نکلا تھا۔ہلفیتی ترکی کے جنوب مشرقی حصے میں، صوبہ شانلی عرفا میں واقع ایک تاریخی قصبہ ،جو دریائے فرات کے کنارے بسا ہوا تھا۔سن 2000 میں ترکی نے بیرے جک ڈیم تعمیر کیا۔ڈیم بنانے کا مقصد بجلی کی پیداوار اور پانی کا ذخیرہ کرنا تھا مگر اس ڈیم کی تعمیر سے دریائے فرات کا پانی بلند ہو گیا اور پورا ہلفیتی پانی میں ڈوب گیا۔جب پرانا شہر ڈوبنے لگا تو حکومت نے لوگوں کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا۔

نیا ہلفیتی پہاڑی ڈھلوان پر بسا ہوا تھا۔صاف سڑکیں، ہلکے رنگ کے گھر،اور بالکونیوں سے نیچے پھیلا ہوا دریائے فرات،سب کچھ منظم اور محفوظ لگتا تھا۔مگر اس بلندی سے نظر آنے والا منظر دل کو بے چین کر دیتا تھا۔نیچے پانی میں آدھا ڈوبا ہوا شہر سانس لے رہا تھا،اور یوں لگتا تھا جیسے نیا ہلفیتی اپنی بقا کے بدلے ماضی کی قبر پر آباد ہو۔

چونکہ یہ نیا ہلفیتی ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، اس لیے یہاں کسی ہوائی اڈے کا وجود نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سمریز نے ہلفیتی پہنچنے کیلئے قریبی ہوائی اڈے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ وہاں اترا تو شام کے 5:00 بج چکے تھے۔ وہاں سے باہر نکلتے نکلتے اور پھر ٹیکسی لیتے لیتے اسے تقریباً 5:30 بج گئے۔ اب اس کی منزل سیدھا نئے ہلفیتی کی سرزمین تھی۔

سورج پوری طرح غائب نہیں ہوا تھا، مگر اس کی روشنی اب نرم اور تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ گاڑی جیسے ہی نئے ہلفیتی میں داخل ہوئی، سڑک ہلکی سی ڈھلوان پر چڑھنے لگی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

دونوں جانب ہلکے رنگوں کے گھر تھے... سفید اور خاکی دیواریں، چھوٹی بالکونیاں، کھلی کھڑکیاں۔ کہیں کہیں کسی بالکونی سے پیلے بلب کی مدھم روشنی جھلک رہی تھی، جیسے شام آہستہ آہستہ شہر میں داخل ہو رہی ہو۔

ہوا میں ہلکی سی ٹھنڈک گھل چکی تھی، جو پہاڑی بلندی کی پہچان ہوتی ہے۔ سڑکیں تنگ مگر صاف تھیں، اور موڑوں پر نیچے بہتے دریائے فرات کی ایک جھلک دکھائی دے جاتی تھی، نیلا، خاموش، گہرا۔ ایک لمحے کو اس کی نظر نیچے اٹک گئی۔

پانی کے کنارے، دور کہیں، آدھے ڈوبے گھروں کے سائے نظر آئے۔

پرانا ہلفیتی... جیسے کوئی شہر نہیں، بلکہ ایک یاد ہو، جو بلندی سے دیکھنے پر اور زیادہ بھاری لگتی ہے۔

گاڑی آگے بڑھتی رہی۔ کچھ فاصلے پر چھوٹے کیفے تھے، لکڑی کی کرسیاں، بند ہونے کو تیار شٹر، اور چند سیاح تصویریں لیتے ہوئے۔ وہاں اس نئے ہلفیتی میں شور نہیں تھا بس گاڑی کے ٹائروں کی ہلکی آواز اور شام کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

وہ ایک لمحے کو سوچ میں ڈوب گیا۔

صلہ کے جانے کے بعد وہ اس کے پیچھے گیا تھا۔ صلہ شاہد ہاؤس نہیں جاسکتی تھی۔ شاید ہاؤس کی حالت بے حد خراب تھی۔ آگ لگنے کے باعث ہر چیز راکھ ہو گئی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ وہ کہاں ہو گی۔ وہ اس کے پیچھے ڈونیٹ گیلور گیا تھا۔ ڈونیٹ گیلور کی اوپری منزل پر ایک کمرہ، ہال اور ایک واش روم بنایا گیا تھا۔ صلہ کا ارادہ مستقبل میں وہاں بھی کیفے بنانے کا تھا مگر حالات کو دیکھ کر اس نے وہاں رہنا شروع کر دیا تھا۔

وہ کیفے ٹائم ختم ہونے کے بعد وہاں گیا تھا۔ سب جا چکے تھے اور صلہ بھی کیفے پر ایک آخری نگاہ ڈالتی دروازہ لاک کرنے کیلئے بڑھی۔ تبھی وہ اندر آتا دکھائی دیا۔ بلیک جینز کے ساتھ نیلی

شرٹ پہنے، بلیک ہی جیکٹ میں ملبوس وہ اس کی جانب بڑھا۔ صلہ کے تو غصے سے جبڑے ہی تن گئے۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں؟ چلے جاؤ ادھر سے۔" وہ غصے سے اس کی جانب لپکی۔

"صلہ، میری بات تو سن لو پلیز!" سمریز نے اسے کندھوں سے تھامے التجا کی۔ صلہ نے فوراً اپنے کندھے چھڑوائے اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

"مجھے میرے باپ کے قاتل سے کوئی بات نہیں کرنی۔ دفعہ ہو جاؤ تم یہاں سے۔" وہ پھر چلائی۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں نے قتل کیا ہے تو ابھی پولیس کو کال کرو اور مجھے جیل کروا دو، ٹھیک ہے! اور ویسے بھی ثبوت تو پہلے ہی ہے تمہارے پاس۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھاتا سرینڈر کرنے والے انداز میں بولا۔

"تم تو خود پولیس والے ہو ہزار طریقے ہوں گے تمہارے پاس بچ نکلنے کے۔ اور ویسے بھی میں تمہیں جیل میں ڈلوا کر کروں گی کیا۔ میرا باپ تو چلا گیا نا، میرا مان تو ٹوٹ گیا نا، تم نے سب تباہی کر دیا۔ تم مجھے ہمیشہ بے بس کر دیتے ہو۔ کیوں کر دیتے ہو؟" وہ نم لہجے میں بولی

تھی۔اس باراس کی آواز مدھم سی ہو گئی تھی۔یوں جیسے وہ اس کے سامنے ہار گئی ہو۔جیسے یہ محبت اسے تھکا چکی ہو۔

”نہیں صلہ، تم مجھے جیل کروانے سے اس لیے نہیں کترا رہیں کہ میں بچ نکلوں گا۔تم اس لیے کترا رہی ہو کیونکہ تم اب بھی مجھ سے اسی طرح محبت کرتی ہو۔تم ان دو ٹکے کے ثبوتوں کو دیکھ کر یقین تو کرنا چاہ رہی ہو مگر تمہارا دل وہ نہیں مانے رہا۔میں جانتا ہوں صلہ۔“صلہ کا چہرہ پھیکا پڑا۔وہ کہتے ہوئے دو قدم آگے آیا۔صلہ قدم پیچھے ہٹنا چاہتی تھی مگر ہمت نہ ہوئی۔

”میں جانتا ہوں تم ابھی صدمے میں ہو۔تم ہر چیز کو دیکھ رہی ہو مگر سمجھ نہیں پا رہی۔تم ان ثبوتوں کو جھٹلانا چاہ رہی ہو مگر یہ صدمہ ایسا کرنے نہیں دے رہا۔تم اپنے باپ کا غم ہمارے رشتے پر نکال رہی ہو۔لیکن ایک بار، صرف ایک بار ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر دیکھو۔جو شخص مجھے ہپناٹائز کر کے قتل کروا سکتا ہے بنا کوئی ثبوت چھوڑے، تو وہ مجھے تمہاری نظر میں قاتل بھی بنا سکتا ہے دو کوڑی کے یہ ثبوت پیش کر کے۔“سمریز کی بات پر وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی مگر ذہن پر ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔سمریز ٹھیک کہہ رہا تھا وہ اس وقت گہرے صدمے کا شکار تھی۔سمریز نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اسے تھامنا چاہا۔صلہ بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

"مگر تمہارا پلان بی تو یہی تھا نا، تم وہاں گئے بھی تھے، تم نے خود اقرار کیا تھا۔" صلہ کی آواز لرزی تھی۔ سمریز نے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں وہاں گیا تھا مگر میں اس شخص کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ وہ میری زندگی کی زندگی تھا۔ میں اس سے اس کی زندگی کیسے چھین سکتا تھا۔" صلہ کی سسکی سی بندھ گئی۔ وہ یکدم ہی تڑپ کر اس سے دور ہوئی۔ سمریز کے ہاتھ خالی رہ گئے۔

"اور کیا پتا کہ تم جھوٹ بول رہے ہوں۔ تم ان ثبوتوں کو جھٹلانے کیلئے ایسا کہہ رہے ہوں۔ کیونکہ تم نے تو کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں۔ تمہیں تو صرف اپنے انتقام سے پیار تھا نا۔ تو بھلا تم میرے لیے اپنے انتقام کو چھوڑ کر کیسے آ گئے۔ تم نے تو اپنے انتقام کے چکر میں اپنی محبت کو بھی قربان کر دیا۔" سمریز کے دل میں کچھ چھن سے ٹوٹا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ صلہ کا اشارہ ثناء کی جانب تھا۔ اس کے قدم یکدم ہی پیچھے اٹھے۔

"تو بھلا میرے لیے یہ سب کیوں چھوڑو گے تم۔ میں تو صرف ایک معاہدے کے تحت تمہاری بیوی بنی تھی۔ بھلا میرے لیے کیوں پیچھے ہٹو گے تم۔" وہ بلند آواز میں چلانے لگی تھی۔

"میں نے ثناء کو قربان نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ اسے مار دیں گے۔ میں نہیں جانتا تھا۔ میں تو صرف چاچو کو انصاف دلانا چاہتا تھا۔" وہ بڑبڑایا، آواز اتنی ہلکی تھی کہ صلہ تک نہ پہنچ سکی۔

"میرے باپ کو مار کر، اپنا انتقام پورا کر کے اب تم میرے ساتھ ایک ہیپی فیملی بنانے آ گئے ہو۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔" وہ حلق کے بل چلائی۔

میں نے اسے قربان نہیں کیا۔ میں نے اسے نہیں مارا۔ میں، میں نے نہیں کیا یہ۔ وہ صلہ کو نہیں سن رہا تھا۔ اس کا ذہن تو بس ایک ہی بات پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ کیا ثناء واقعی اس کی وجہ سے مری تھی؟

سمریز نے ایک آخر بار نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں۔ پھر وہ بے جان قدموں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ پیچھے صلہ نا جانے کتنی دیر وہیں بیٹھی روتی رہی۔

ایک وقت تھا جب وہ اس کے پیچھے بھاگتی تھی مگر سمریز ٹھکرا دیتا تھا اور اب سمریز اس کے پیچھے آ رہا تھا اور وہ اسے ٹھکرا رہی تھی۔ اور یہ ٹھکرانا اس کے اپنے دل پر بھی بہت بھاری تھا۔

ان کی محبت انتقام کے اس کھیل میں کچل کر رہ گئی تھی۔

اگلے ہی دن سمریز نے اپنے ایک سپاہی کو ان کی حفاظت پر معمور کر دیا تھا مگر صلہ اس بات سے ناواقف تھی۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا تو اس کی ناراضگی مزید بڑھ جاتی۔

ڈرائیور نے گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے روکی تو وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آیا۔ اس نے ڈرائیور کو پیسے دیے۔ وہ ائیر پورٹ سے ہی کرنسی ایکسچینج کروا آیا تھا۔ اس نے انگریزی میں ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور ہوٹل کی جانب بڑھ گیا۔ یہ ہوٹل کوئی بہت بڑا نہ تھا۔ پہاڑی چٹان پر بنا یہ ہوٹل باہر سے دیکھنے میں بے حد خوبصورت تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو اندر کا ماحول باہر سے قدرے بہتر تھا۔ اندر ہلکی گرمائش تھی۔ سردی سے ٹھٹھرتے اس کے وجود میں ایک سکون سا اتر گیا۔ وہ نگاہ دوڑاتا ریسیپشن پر آیا۔ ریسیپشنسٹ نے اسے کمرے کی چابی دی، جسے لے کر وہ راہداری کی جانب بڑھا۔ راہداری کے اختتام پر لفٹ موجود تھی۔ اس نے اندر قدم رکھا اور تیسری منزل کا بٹن پریس کیا۔

لفٹ اوپر بڑھنے لگی۔ اس نے موبائل نکال کر یوں ہی مصروف سے انداز میں چیک کرنا شروع کر دیا۔ یہاں پاکستانی نیٹ ورک کام نہیں کر رہا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس کا یہاں آ جانا پیچھے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال گیا ہو گا۔ اس کا ویزہ، پاسپورٹ بننے میں تقریباً 15 سے 20 دن لگے تھے۔ اس نے یہ کام ایمرجنسی میں کروایا تھا۔ ان دنوں میں اس نے کسی سے

کچھ نا کہا تھا۔نہ تو میکال کے بھیجے خط کے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ ہی اپنے ہلفیتی جانے کے ارادے کے بارے میں۔

وہ اس دن کے بعد صلہ کی طرف بھی نہ گیا تھا۔اس نے جو گارڈان کی حفاظت پر معمور کیا تھا اس سے روزانہ کی اطلاع لے لیتا۔عالیان کو سکول کی پک اینڈ ڈراپ صلہ ہی دے رہی تھی۔ وہ اکثر سکول کی چھٹی کے وقت عالیان سے ملنے چلا جاتا۔اگر تو صلہ پہلے پہنچ جاتی تو اسے دور سے ہی دیکھ کر واپس لوٹ جاتا۔نہیں تو وہ کوشش کرتا کہ صلہ سے پہلے جا کر عالیان سے مل لے۔

صلہ نے اسے ایک دو بار عالیان سے ملتے دیکھا تھا مگر کہا کچھ نہیں کیونکہ وہ سمریز کا سگا بیٹا تھا۔ وہ چاہ کر بھی سمریز کو روک نہیں سکتی تھی۔صلہ کا عالیان سے کوئی خونی رشتہ نہ تھا۔یہ تو سمریز کا ہی احسان تھا کہ اس نے عالیان کو اس کے ساتھ رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ نہیں تو شاید یہ تنہائی اسے کھا ہی جاتی۔

تقریباً ایک ہفتہ یہی سب چلتا رہا۔ایک ہفتے بعد سمریز نے عالیان کی چھٹی کے وقت ہی صلہ کا راستہ روک لیا۔پہلے پہل تو وہ غصے سے جانے لگی مگر پھر سمریز نے اسے بازو سے پکڑ رکنے پر

مجبور کیا۔اس کی آنکھوں میں سختی تھی۔صلہ ناچاہتے ہوئے بھی رک گئی۔سمریز نے عالیان کو گاڑی میں بیٹھنے کا کہا تو وہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔

”کیوں روکا ہے مجھے؟“وہ عالیان کے جاتے ہی دبی آواز میں چلائی۔

”یہ سب کب تک چلے گا صلہ؟تم جانتی بھی ہو کتنا مشکل ہے تم دونوں کے بغیر رہنا۔میرے گھر کے در و دیوار سنسان ہو گئے ہیں۔“آج وہ بھی ذرا سختی سے گویا ہوا تھا۔مگر اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا،بھگیا ہوا اور بے بس۔

”اچھا،اب اکیلے گھر پر رہنا پڑ رہا ہے تو دل جل رہا ہے تمہارا۔جب میں تمہاری منتیں کرتی تھی کہ کچھ وقت ہمارے ساتھ بھی گزار لیا کرو تب تمہیں صرف انتقام کی پڑی تھی۔یاد ہے نا میں راتوں کو دیر دیر تک تمہارا انتظار کرتی تھی۔کتنی کتنی راتیں تو صرف تمہارے انتظار میں دروازے پر آنکھ لگائے کاٹ دی میں نے۔مگر تم،تم صرف اپنے بدلے کے پیچھے بھاگتے تھے۔میرا دل بھی ایسے ہی جلتا تھا۔وہ گھر مجھے بھی یوں ہی کاٹنے کو دوڑتا تھا۔“صلہ آج اپنے دل کی پوری بھڑاس نکال رہی تھی۔سمریز نے گردن جھکا لی۔مگر اس کا بازو اب تک تھام رکھا تھا۔

"ایم سوری! معاف کر دو پلیز! پاگل تھا میں تب، اس کھیل نے اس کے پیچھے چھپے رازوں نے میری آدھی زندگی برباد کر دی۔ میں صرف خلا میں دوڑ رہا تھا۔ اس کھیل نے بہت خوار کیا ہے مجھے، مگر اب..." وہ ایک لمحے کو رکا۔ صلہ نے ایک بار پھر بازو چھڑوانا چاہا مگر سمریز کی گرفت مضبوط رہی۔

"مگر اب میں مزید خوار نہیں ہوں گا۔ اس بار آر یا پار کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔ میں اپنے ساتھ ساتھ تم لوگوں کو بھی بہت خوار کروا چکا ہوں۔ اس لیے اب سب ٹھیک کر کے ہی لوٹوں گا نہیں تو..." وہ ابھی آگے کچھ کہتا کہ صلہ نے غصے اور اکتاہٹ سے نگاہ اٹھائی۔

"تمہیں لوٹنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب تمہیں نہ تو معافی ملے گی، نا ہی میرا ساتھ۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"میں یہاں سے جا رہا ہوں صلہ!" وہ بھاری دل سے بولا۔

"میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔" سمریز کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ صلہ نے فوراً بازو چھڑوایا۔

"میں ترکی جا رہا ہوں۔ اس کھیل کی جڑیں وہیں سے شروع ہوئی تھیں، میں انہیں ختم کرنے جا رہا ہوں اور شاید کبھی واپس نہ لوٹ سکوں۔" وہ جیسے کسی امید کے تحت بولا تھا۔

Clubb of Quality Content

"کھانا تمہیں لوٹنے کی ضرورت بھی نہیں۔" وہ ایک آخری نگاہ اس پر ڈالتی گاڑی میں جا بیٹھی۔

اتنی سنگ دل مت بنو۔ کہیں یہ نا ہو کہ تمہیں پچھتانا پڑت۔ کہیں یہ نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔ وہ پیچھے سے چلایا تھا۔ صلہ نے اگلی نگاہ ڈالنا بھی ضروری نہ سمجھی۔

عالیان کھڑکی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ماں باپ کی جدائی کا اس کے ذہن پر گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ خاموش سا رہنے لگا تھا۔ سکول میں، کیفے میں وہ کسی سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ صلہ اور سمریز دونوں ہی اس کی خاموشی نوٹ کر رہے تھے مگر سب ہی اپنی جگہ بے بس تھے۔

لفٹ تیسرے فلور پر آ کر رکی۔ سمریز کی سوچ کا بلبلہ فضاء میں تحلیل ہو گیا۔ وہ باہر نکلا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ چند ہی قدم چلنے کے بعد اسے اس کا کمرہ مل گیا۔ اس نے لاک کھولا اور اندر قدم رکھا۔

کمرہ زیادہ بڑا نہ تھا مگر خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ کمرے میں سنہری روشنیاں روشن تھیں جو ایک خوابناک سا ماحول پیش کر رہی تھیں۔ کمرے کے عین بیچ و بیچ ایک بیڈ رکھا تھا۔ بیڈ کے بائیں جانب بڑا سا تھری سیٹر صوفہ اور ایک میز پڑی تھی۔ شیشے کی اس میز پر ایک گلدان رکھا گیا تھا۔

سمریز کی نگاہ ہر جگہ سے ہوتی اس گلدان پر آ ٹکی۔اس گلدان میں سیاہ گلاب موجود تھے۔وہ ایک لمحے کیلیئے چونکا۔ان گلابوں کا یہاں ہونا کوئی اتفاق تھا یا پھر کوئی نئ چال۔آخر یہ گلاب اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے تھے۔وہ گہری سانس بھرتا اندر آیا۔اس نے گلدان سے وہ پھول نکال کر میز پر رکھے پھر گلدان کو اندر باہر سے چیک کرنے لگا۔عادت سے مجبور وہ اس گلدان کو شکی انداز میں دیکھ رہا تھا۔ تبھی کسی نے اس کے کمرے کا ادھ کھلا دروازہ بجایا۔

"کون؟"اس نے چونک کر پوچھا۔

"روم سروس سر!" باہر سے آواز آئی۔

"آجاؤ۔"اس کے کہنے پر ایک شخص اندر داخل ہوا۔وہ ہوٹل کے سفید اور بھورے رنگ کے یونیفارم میں ملبوس تھا۔ سمریز کو ہاتھ میں گلدان الٹا کیے پکڑے دیکھ وہ تعجب کا شکار ہوا۔ سمریز نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"سر! آپ کو کچھ چاہیے ہو تو بتا دیجیئے۔"اس نے انگریزی میں پوچھا تھا۔

"نہیں، کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو کہہ دوں گا۔"سمریز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جی سر!" وہ کہہ کر جانے لگا۔جاتے جاتے بھی اس نے سمریز کے ہاتھ میں موجود اس گلدان کو دیکھا تھا۔آخر وہ کر کیا رہا تھا۔

"رکو!" سمریز نے اس کی الجھن بھانپ کر اسے ٹھہرنے کا کہا۔

"جی سر!" وہ واپس مڑا۔

"کیا میرے آنے سے پہلے یہاں کوئی آیا تھا؟ یا پھر کچھ بھی ایسا جو معمول سے ہٹ کر ہوا ہو؟" سمریز کے سوال پر وہ شخص تھوڑا سوچ میں پڑ گیا۔

"نہیں سر ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔ پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس شخص کی بات پر سمریز نے گلدان میز پر رکھا اور نفی میں سر ہلاتا آگے بڑھا۔

"نہیں، نہیں تم سمجھ نہیں رہے۔ یہ پھول، یہ میرے کمرے میں، یہاں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔" سمریز ماتھا سہلاتے پریشانی سے بول رہا تھا۔

"نہیں سر ایسا تو کچھ بھی غیر معمولی نہیں ہوا... لیکن ہاں یہ پھول آج پہلی بار ہی یہاں رکھے گئے ہیں"۔ وہ شخص سوچ سوچ کر بتانے لگا۔

"نہیں تو ہمارے ہوٹل میں ہمیشہ سے نقلی پھول استعمال ہوتے آئے ہیں۔ مگر آج صبح مینیجر نے آرڈر دیا تھا کہ ہر روم میں تازہ کار اگلاب رکھے جائیں۔ اور یہ آرڈر اسپیشل ڈاکٹر میکال کے حلم پر دیا گیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کچھ بھی غیر معمولی نہیں ہوا۔" میکال کے نام پر وہ چونکا۔

"میکال؟"

''جی سر ڈاکٹر میکال، یہاں کے اونر ڈاکٹر مراد کے اڈاپٹڈ سن ہیں وہ۔ڈاکٹر مراد کے بعد یہ سب انہی کا ہے۔'' ویٹر نے چاروں جانب اشارہ کرتے کہا۔ سمریز کی نگاہ اس کی ان گلی کی سمت میں گھومی۔اس کا مطلب تھا یہ پورا ہوٹل میکال کا تھا۔اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس بھرا۔اس کا مطلب میکال نے جان بوجھ کر اسے اس ہوٹل میں بلوایا تھا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' سمریز کے کہنے پر وہ سر ہلاتا باہر بڑھ گیا۔

پیچھے سمریز نے ان گلابوں کو اٹھا کر دیکھا۔وہ لمبی ٹہنیوں والے مکمل کھلے گلاب تھے۔ان کی نازک ٹہنیوں کو بیچ سے ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ایک ٹیپ سے باندھا گیا تھا۔ سمریز نے ناخن کے ساتھ وہ ٹیپ کھرچ کر اتاری۔اس ٹیپ کے اترتے ہی ایک کاغذ کی پرچی زمین پر گری۔ سمریز نے پھول رکھ کر وہ پرچی اٹھائی۔

''ڈوبے ہلفیتی کے کنارے، ابھرتے سورج کے وقت، آدھے مینار کے قریب ٹھہری کشتی میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' سمریز کے جبڑے تن گئے۔ مکمل پڑھنے کے بعد اس نے وہ پرچی مڑوڑ کر پھینک دی۔میکال کی اس چھپن چھپائی سے وہ عاجز آچکا تھا۔اس بار آر یا پار کا فیصلہ ہو کر رہنا تھا۔

oooooooooooo

اگلے دن وہ اذانوں کے وقت ہی ہوٹل سے نکل گیا۔ ہوٹل کے سامنے ہی ایک قطار میں چار سے پانچ ٹیکسیاں موجود تھیں۔ سمریز نے ایک ٹیکسی کی اور پرانے ہلفیتی کی جانب چل پڑا۔ آسمان پر ہلکی سی نیلاہٹ پھیلنے لگی تھی۔ سیاحتی علاقہ ہونے کے باعث سڑک کے کنارے بنے ریسٹورنٹ اور کیفیے ابھی سے کھلنے لگے تھے۔ پہلے اس کا دل کیا کہیں رک کر کچھ کھا لے۔ اس نے کل رات سے صرف کافی کا ایک کپ پی رکھا تھا۔ مگر پھر وہ ارادہ ترک کرتا ہوں ہی سفر کاٹنے لگا۔ راستہ گزرتا چلا گیا اور بلآخر وہ ٹیکسی دریائے فرات کے کنارے آ کر رکی۔

"سر! آگے آپ کو کشتی کے ذریعے جانا پڑے گا۔" ڈرائیور نے اس سے کہا۔ وہ سر ہلاتا باہر نکلا۔ ڈرائیور کو پیسے دیے اور پیدل چلنے لگا۔ سڑک کے کنارے دریائے فرات واقع تھا۔ آسمان پر پھیلتی نیلاہٹ میں دریائے فرات کا ہلکورے لیتا پانی بھی ہلکی نیلاہٹ میں ڈھلتا جارہا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی، تازہ ہوا اور دریا میں ابھرتی، ڈھلتی لہروں کی آواز اس کے رگ و جان میں تازگی بھر رہی تھی۔ سمندر، پانی، لہریں یہ سب تو ہمیشہ سے اس کے پسندیدہ رہے تھے۔

چلتے چلتے وہ کشتی گھاٹ پر پہنچا۔ ایک کشتی بان بھاگتا ہوا اس تک آیا۔ سمریز نے اسے پرانے ہلفیتی میں آدھے ڈوبے مینار کے پاس جانے کا کہا۔ کشتی بان نے فوراً سے کشتی تیار کی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سمریز کے بیٹھتے ہی کشتی آگے بڑھنے لگی۔

آسمان پر سفیدی پھیلنے لگی تھی۔ فرات کا پانی نیلگوں ہوتا جا رہا تھا۔ سمریز نے نگاہ آس پاس گھمائی۔ وہاں آدھی ڈوبی عمارتیں تھیں۔ یہ جگہ بہت پر اسرار سی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر عمارت، ہر مکان میں کوئی نئی کہانی دفن اپنے تمام تر رازوں کے ساتھ ڈوب چکی ہو۔ ساتھ ہی پانی میں سے ابھرتے وہ زرازراسے کھنڈرات جیسے نئے ہلفیتی کو خبردار کر رہے ہوں۔

سمریز نے ان مکانوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے دریا میں دیکھا۔ فرات کے نیلگوں پانی میں اس کا عکس نمایاں ہوا۔ لہراتی لہروں کے بیچ ابھرتا اس کا ہلکا دھندلا سا عکس۔ یوں جیسے رازوں کی لہریں اس کے عکس کو نمایاں ہونے سے روک رہی ہوں۔ لہریں گزریں تو دو لمحے کیلئے عکس واضح ہوا۔ شہد رنگ آنکھوں میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ دریا میں ڈوبے اس علاقے کیلئے حیرت بھی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ دنیا کے کسی کونے میں آدھے ڈوبے نشیب و فراز کے راز بھی دفن ہوں گے۔ تبھی ایک اور لہر آئی اور اس کے عکس کو دھندلا کر گئی۔ ان لہروں اور عکس کے اس کھیل کے بیچ وہ کہیں بہت دور کسی کی سوچ میں ڈوب گیا۔

یہاں آنے سے ایک دن پہلے وہ ایک آخری بار پھر کیفے گیا تھا۔ صلہ غصے سے اس کی جانب لپکی تھی۔

"تم پھر؟" وہ ابھی آگے کچھ کہتی کہ سمریز نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ کر خاموش ہونے کا اشارہ دیا۔ صلہ ایک لمحے کیلئے چونکی پھر جھٹک کر اس کا ہاتھ پیچھے کیا۔

"ہاتھ مت لگاؤ..." وہ اور بھی کچھ کہنے لگی تھی کہ سمریز نے ایک فولڈ ہوا صفحہ اس کی جانب بڑھایا۔

"کل میں جا رہا ہوں۔ یہ آخری پیغام سمجھ کر پڑھ لینا۔ شاید تمہارا دل پگھل جائے۔" صلہ نے ایک نظر اسے پھر اس کاغذ کو دیکھا۔

"کیا وہ واقعی جا رہا تھا؟" ایک لمحے کیلئے صلہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ مگر وہ چہرے پر کچھ بھی ظاہر کیے بغیر وہ کاغذ تھام گئی۔ پھر نگاہ اٹھا کر اسے ایک بار پھر دیکھنے لگی۔ سمریز کی نگاہیں آج جھکی ہوئی تھیں، کندھے ڈھیلے پڑے تھے۔ دونوں کے بیچ کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔ صلہ اس کے بولنے کے انتظار میں تھی اور سمریز... وہ آج محسوس کر رہا تھا کہ لفظوں کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے۔ انہیں ادا کرنا آسان ہے مگر جو شخص سنتا ہے اس کے کندھے بوجھ سے تھکنے

لگتے ہیں۔ وہ چاہ کر بھی آج الفاظ ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جا رہا تھا، نہ جانے واپس آتا یا نہیں۔ دل بے چین تھا نا جانے کبھی سکون پاتا کہ نہیں۔

"کیا میں عالیان سے مل لوں؟" وہ اجازت مانگ رہا تھا۔ وہ اپنی اولاد سے ملنے کی اجازت یوں مانگ رہا تھا جیسے وہ اولاد صلہ کی ہو۔

صلہ بنا کچھ کہے اوپر چلی گئی۔ کچھ دیر میں عالیان اس کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ سمریز کو دیکھ وہ بھاگ کر نیچے اترا تھا پھر اس سے لپٹ گیا۔

"بابا آپ ہمیں لینے آئے ہیں۔" اس کے ننھے سے ذہن میں پہلا خیال ہی یہ آیا تھا۔ سمریز نے نگاہ اٹھا کر صلہ کو دیکھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی یوں جیسے بات سنی ہی نہ ہو۔

"بیٹا! بابا کو آفس کے کام سے جانا ہے۔ بابا کچھ دنوں میں آجائیں گے۔ بس کچھ دن، ہاں! تب تک آپ نے ماما کا خیال رکھنا ہے، ٹھیک ہے؟ ماما کی سب باتیں ماننی ہیں اور بالکل بھی پریشان نہیں کرنا۔" وہ اس کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھتے پیار سے سمجھانے لگا۔ پھر اسے زور سے سینے میں بھینچ لیا۔ کافی دیر اسے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔

"بابا! واپس آنے کے بعد آپ مجھے اور ماما کو اپنے ساتھ گھر کے جائیں گے نا؟" عالیان نے اس کے سینے سے لگے پوچھا۔ سمریز کا اس کی کمر تھپکتا ہاتھ رک گیا۔اس نے نظر اٹھا کر صلہ کو دیکھا۔اگلے الفاظ اس نے صلہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ادا کیے تھے۔

"ہاں! اگر آپ کی ماما نے چاہا تو ضرور۔" وہ کچھ جتلا رہا تھا۔ مگر کیا؟ شاید اہمیت...

صلہ نے نگاہیں پھیر لیں۔ وہ اسے جذباتی کر رہا تھا مگر وہ ایسا ہونے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا ٹھیک ہے، اور ماما کا بھی۔" اس نے اسے خود سے جدا کرتے کہا۔ پھر اس کا چہرہ تھپکتے کھڑا ہو گیا۔ صلہ کو لگا وہ اب اس سے کچھ بولے گا۔ایک بار پھر کوئی فریاد کرے گا مگر نہیں۔ وہ ایک آخری نگاہ ان پر ڈالے باہر نکل گیا۔

لیکن ہاں وہ اپنی اولاد صلہ کو سونپ گیا تھا ہمیشہ کیلئے، کسی نعمت کی طرح، کسی محافظ کی طرح وہ اسے ایک سہارا دے گیا تھا۔ وہ واپس آتا یا نہیں مگر اپنی جان کا ایک ٹکڑا وہ اس کے حوالے کر گیا تھا۔

اسے ہوش تب آیا جب کشتی بان نے اسے آدھے مینار کے پاس پہنچنے کی اطلاع دی۔اس نے چونک کر اس مینار کو دیکھا۔ وہ فرات میں ڈوبی ایک مسجد کا مینار تھا۔ لمبا سا مینار جو فرات میں ڈوبی مسجد کی نشان دہی کر رہا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے دور سے کسی کو مدد کیلئے پکار رہا ہو۔ جیسے

سمندر میں ڈوبتا کوئی مظلوم ایک ہاتھ اٹھا کر خود کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔اس کی نگاہ مینار سے ہوتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی ایک کشتی پر گئی۔وہاں پینٹ شرٹ میں ملبوس بھوری جیکٹ پہنے ایک شخص موجود تھا۔کشتی کے کنارے بیٹھا ہوئے وہ ہوا میں سگریٹ کے مرغولے چھوڑ رہا تھا۔اس پر نظر پڑتے ہی سمریز کے جبڑے سختی سے تن گئے۔

کشتی بان اسے بنا کہے ہی آگے لے گیا۔اس نے اپنی کشتی عین دوسری کشتی کے ساتھ جوڑ کر روکی تھی۔میکال نے گردن ذرا سی موڑ کر کشتی بان کو دیکھا۔پھر سر کے اشارے سے شکریہ ادا کیا۔سمریز جو جبڑے بھینچے اسے دیکھ رہا تھا سرد آہ بھرتا کھڑا ہوا۔اس نے ایک کشتی سے دوسری میں چھلانگ لگائی اور عین میکال کے سامنے آ کھڑا ہوا۔میکال بنا اس کی جانب دیکھے سگریٹ کے کش بھرنے میں مصروف رہا۔نیلی آنکھیں بھورے رنگ کے چشمے کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔

سمریز خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔بلایا میکال نے تھا تو ظاہر ہے بات بھی اسی نے شروع کرنی تھی۔

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے فرتر کے پانی کو دیکھتے رہے۔پھر میکال نے سگریٹ کا دھواں ناک اور منہ سے خارج کرتے ہوئے کچھ کہنے کا ارادہ کیا۔

"تم سوچ رہے ہوں گے کہ میں خاموش کیوں بیٹھا ہوں۔ کچھ بول کیوں نہیں رہا؟" اب کی بار وہ براہ راست سمریز کی نگاہوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔ وہ تو سمریز کی نگاہوں کے تاثرات جانچ سکتا تھا مگر سمریز اس کی آنکھوں میں چھپے تاثر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تم نے دیکھا ہو گا کہ کھیلوں میں احترام یا تعزیت کے طور پر خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ کیا کہتے ہیں اسے ون منٹ سائلنس۔۔۔ بس اسی لیے خاموش تھا۔ ہمارے بے رحم ماضی کی یاد میں ایک منٹ کی خاموشی تو بنتی تھی۔" اس کی بات پر سمریز اسے دیکھتا رہ گیا۔ کیا تھا یہ شخص؟ کیا انداز تھا اس کا؟ دو لمحے کیلئے سامنے والے کو واقعی خاموش ہونے پر مجبور کر دیتا تھا۔

"ہمارا کون سا ماضی؟ آخر کیا کہنے کیلئے بلایا ہے تم نے مجھے؟ اپنی بات کہو تاکہ پھر میں اپنی کہہ سکوں۔" سمریز نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اس کی بات پر میکال کی منہ کو جاتی سیگریٹ ہوا میں ہی معلق رہ گئی۔ وہ یکدم زور سے ہنس دیا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ سمریز اسے عجیب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کافی دیر ہنستے رہنے کے بعد اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی ہاتھ میں موجود سیگریٹ کی راکھ کشتی میں ایک طرف کو پھینکی۔

"تمہیں... تمہیں لگتا ہے..." وہ جملہ ادھورا چھوڑے ایک بار پھر ہنسنے لگا۔ سمریز کو اب اس کی ہنسی سے بیزاریت ہونے لگی تھی۔

"سوری... سوری، اوکے۔" وہ پھر سے خود پر قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اور معذرت یوں کی جیسے ان کے بیچ نا جانے کتنی پرانی دوستی ہو۔

"تم... تمہیں واقعی لگتا ہے اس سب کے بعد تم کچھ کہنے کے قابل بچو گے۔" وہ ایک بار پھر ہنس دیا ساتھ ہی سر جھٹکا۔ مگر اس بار اس کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔

"کہنا کیا چاہتے ہو تم۔ اب کچھ بولے گے بھی یا یوں ہی میرا اور اپنا وقت ضائع کرتے رہو گے؟" وہ غصے سے کشتی پر زور سے ہاتھ مارتا بولا۔

"بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔ آخر جلدی کیا ہے؟" اس کے چہرے پر تپا دینی والی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"جلدی... میں تمہارے ساتھ ایک لمحہ نہ بیٹھوں اور تم بات کرتے ہو کہ مجھے جلدی کیا ہے؟ میرا بس چلیں نامیکال شاہنواز میں تمہیں یہیں ایک بے رحم موت مار کر اس فرات کے پانیوں میں پھینک دوں۔" وہ سختی سے ایک ایک لفظ چباتے بولا۔

ایک لمحے کیلئے میکال خاموش ہو گیا۔ بالکل ساکت سادہ سمریز کو دیکھے گیا۔ مگر حقیقت میں وہ یہاں سے دور، دریائے عرب میں واقع چرنا کے پانیوں میں کھو گیا تھا۔ وہاں جہاں اس کی محبت اس سے بچھڑ گئی تھی۔ سمریز نے محسوس کیا کہ وہ کہیں دور نکل گیا ہے۔ پھر اس نے اس کے ہونٹوں پر بکھرتی ہلکی سی مسکراہٹ دیکھی۔

"پانی میں ڈوب کر تو میں پہلے بھی مر چکا ہوں۔ تم فرات کی بات کرتے ہو میں، میری محبت، میری بیوی کے ساتھ چرنا کے پانیوں میں ہی ڈوب کر ختم ہو گیا تھا۔" وہ تھوڑا سا آگے کو جھکا۔

"اب جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے وہ صرف ایک زندہ لاش ہے۔ وہ لاش جو پانی سے نفرت کرتی ہے۔ وہ لاش جو صرف اپنے انتقام تک باقی ہے۔ اس کے بعد یہ جسم گل کر خود ہی ختم ہو جائے گا۔" وہ کیا کہہ رہا تھا اور کیا کہنا چاہتا تھا سمریز کچھ سمجھ نہ سکا۔ وہ بس اسے تک رہا تھا۔ اس کی پانی سے نفرت کو محسوس کر سکتا تھا۔

چند لمحوں بعد میکال نے گہری سانس خارج کی اور آنکھوں پر موجود چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر تھا، انتقام کا سمندر، ہر چیز تباہ کر دینے والا خطرناک سمندر۔

"میں نے تمہیں یہاں وہ حقیقت بتانے کیلئے بلایا ہے جو تمہیں سوائے میرے کبھی کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ کیونکہ اس حقیقت سے واقف لوگوں میں صرف میں ہی ایک باقی بچا ہوں۔ صرف میں ہی وہ آخری شخص ہوں جو تمہیں تم سے جڑے ان رشتوں کا بتائے گا جن کا تم نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔" میکال کہہ رہا تھا اور سمریز ماتھے پر بل لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں یعنی میکال شاہنواز بخاری، میں یعنی تم سے سات سال بڑا تمہارا وہ سوتیلا بھائی جو ہلفیتی میں دفن ڈھیروں رازوں کی طرح چھپارہ گیا تھا۔ وہ آج تمہاری ہر الجھن دور کر دے گا۔"

الفاظ اس کی سماعتوں سے تو ٹکرائے مگر ذہن میں پراسس ہونے میں کچھ وقت لگ گیا۔ مگر جیسے ہی اسے وہ الفاظ سمجھ آئے اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ میکال کی نیلی آنکھیں بالکل سنجیدہ تھیں۔ دوسری جانب سمریز کی شہد رنگ آنکھوں میں حیرت و بے یقینی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ سوائے ان آنکھوں کے ان کا ایک ایک نقش ایک دوسرے سے مشابہت رکھتا تھا۔ جیسے وہ اس ہی کا عکس ہو، جیسے وہ اس ہی کی پرچھائی ہو۔ سمریز ہکا بکا سا اسے دیکھے گیا۔

''یقین نہیں آیا نا؟ الفاظ ختم ہو گئے نا؟'' وہ سنجیدگی سے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ سمریز خاموش رہا۔

''ہوتا ہے، ہوتا ہے جب اچانک راز آشکار ہوں تو زبان یوں ہی شل ہو جاتی ہے۔'' وہ سر ہلاتا بولا۔ ساتھ ہی کوٹ کی جیب سے ایک اور سگریٹ نکال کر جلائی۔

''لیکن ابھی خود پر قابو رکھو پیارے بھائی۔ ابھی تو بہت کچھ جاننا باقی ہے چھوٹے بھائی۔'' اس نے سگریٹ کی کش لی۔

''میں کیسے یقین کر لوں؟'' سمریز نے بے یقینی سے پوچھا۔

''مت کرو یقین، میرا تو کچھ نہیں بدلنے والا۔ ہاں مگر یقین کر لینے سے تمہیں ضرور تمہاری الجھنوں کے جواب مل جائیں گے، پیارے بھائی۔'' آخر میں وہ پر اسرار سا ہنسا تھا۔ سمریز یقین نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ان کے چہروں میں مماثلت اسے یقین کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اس کے بعد میکال نے اسے شاہنواز کی زندگی کی پوری کہانی سنا ڈالی۔ ہر ایک بات جس سے سمریز ناواقف تھا، اس نے سب بتا دیا۔ سمریز کو یاد تھا، اس کا باپ اس سے محبت تو بہت کرتا تھا مگر وہ کبھی کبھی اسے گلے لگا کر رویا کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی اس سے کہتا تھا کہ کاش تمہاری آنکھیں نیلی ہوتیں۔ شاید وہ سمریز میں میکال کا عکس دیکھتا تھا۔ مگر پھر سمریز پانچ سال کا تھا

جب شاہنواز اور صوبیہ سمریز کی والدہ دونوں ایکسیڈینٹ میں مارے گئے۔ سمریز کو یہ سب باتیں ہضم کرنے میں تھوڑی دقت ہوئی مگر وہ اس حقیقت کو جلد ہی قبول کر گیا۔

''میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ آخر تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے جو تم میرے ہر رشتے کو ختم کر دیتے ہو۔ مجھے اب سمجھ آئی تم مجھ سے رشتے نہیں چھین رہے تھے تم مجھ سے اپنی محرومیوں کا بدلہ لے رہے تھے۔'' اس کی بات پر میکال غصے سے آگے کی جانب جھکا۔

''میں تم سے محرومیوں کا بدلہ نہیں لے رہا تھا۔ میں صرف وہی کر رہا تھا جس کے تم قابل تھے۔ تم نے مجھ میرا باپ چھینا تھا میں تمہیں کیسے خوش دیکھ سکتا تھا۔ تم میری خوشیوں کے قاتل تھے میں تم سے ہمدردی کیوں کر رکھتا بھلا۔'' وہ اس کے چہرے پر پھنکارا تھا۔

''ویسے بھی میرا بدلہ تو تمہیں تنہا کر کے مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس دنیا نے مجھے مجبور کیا۔ میں قاتل نہیں تھا۔ میں نے صرف تمہیں تنہا کیا تھا۔ میں نے قتل نہیں کیا تھا۔ قتل تو شاہد بخاری نے کیا تھا۔ میں کسی کی جان نہیں لے سکتا تھا مگر اس دنیا نے مجھے بے رحم بنا دیا۔ اس دنیا نے مجھے ظالم بنا دیا۔ اس دنیا نے مجھ سے میرا معصوم بچہ، میری معصوم بیوی چھین لی۔ میرے ساتھ ظلم کیا اور پھر...'' اس کی آنکھوں کے تاثرات پل میں بدلے اور پھر کاٹھ سی چھا گئی۔

’’اور پھر میں نے اپنے دل کو مار دیا۔ میں اس بے رحم دنیا کیلئے اس سے بھی زیادہ ظالم بن کر لوٹا۔ میں نے ہر اس شخص کو مارنے کی ٹھان لی جس نے کبھی کسی عورت پر ظلم کیا تھا۔ ان لوگوں نے میری عورت کو ظلم کا نشانہ بنایا میں نے ان جیسے ہر شخص کو عبرت کا نشان بنا دیا۔‘‘

وہ ظالم ہونے کا اعتراف کر رہا تھا، اس کے لہجے میں عجیب بے بسی تھی۔

’’کیا ظلم ہوا تھا تمہاری عورت کے ساتھ؟‘‘ سمریز کے سوال پر طوفان مچے سمندر میں ٹھہراؤ دوڑ گیا۔ میکال نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ وقت پل میں اس کی آنکھوں کے سامنے دوڑنے لگا۔

وہ وقت جب اس کی عروہ ہنستی مسکراتی تھی۔ جب اس کی ہنسی سے میکال کی زندگی میں بہار تھی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب عروہ نے ایک این جی او جوائن کی تھی۔ وہ ہمیشہ سے اپنے دل میں انسانیت کیلئے ہمدردی کا جذبہ رکھتی تھی۔ اور پھر دنیا میں مظلوم انسانوں خصوصاً عورتوں پر ہونے والے ظلمات اور سانحات کو دیکھ کر اس کا یہ جذبہ مزید بڑھ گیا تھا۔ اس کی اور میکال کی شادی کو دو سال مکمل ہو گئے تھے۔ عروہ نے ایک این جی او جوائن کرنے کی خواہش ظاہر کی جس پر میکال نے فوراً حامی بھر لی۔

عروہ بے حد خوش تھی۔ بلآخر وہ انسانیت کیلئے کچھ کرنے جارہی تھی۔اس کا ارادہ تھا کہ پہلے کسی این جی او کے ساتھ کام کر کے تھوڑاا ایکسپیریئنس گین کرلے۔اس کے بعد وہ خود اپنی این جی او بنائے گی۔اور پھر اپنے طریقے سے کام کرے گی۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ وہ خود ظلم کا شکار ہو جائے گی۔

عروہ نے امید نامی ایک این جی او جوائن کرلی۔وہ ایک بہترین این جی او تھی۔ بالکل اس کی امید کے مطابق۔وہاں انسانیت کی خدمت کی جاتی تھی۔وہاں بے بس اور لاچار عورتوں کو پناہ دی جاتی تھی۔وہاں ان عورتوں کو مختلف ہنر سیکھائے جاتے تھے جس سے وہ سب عورتیں ایک مظبوط انسان کے روپ میں ابھر کر سامنے آتی تھیں۔اس کے علاوہ وہ این جی او بچوں اور بچیوں کیلئے پورے ملک میں ڈھیروں سکولز کالجز بنوانے،اور فن ایجز اور اولڈ ہاؤسز کی تعمیرات میں بھی پیش پیش رہتی تھی۔اور ان سب کے پیچھے دو شخص تھے،دلاور فراز اور اس کا چھوٹا بھائی داور فراز۔دلاور فراز اس این جی او کا اونر تھا اور سب کچھ خود ہینڈل کرتا تھا۔ داور اس کا رائٹ ہینڈ ہونے کے ساتھ ساتھ ساری کمپیوٹر پروگرامنگ سنبھالتا تھا۔عروہ اس شخص کی کاوشوں اور محنت سے بہت انسپائر ہوئی تھی۔

عروہ بھرپور من لگا کر وہاں کام کرتی تھی۔ڈونیشن میں سب سے پہلے خود حصہ لینا پھر الگ الگ شہروں میں جا کر میٹنگز اٹینڈ کرنا سب کچھ بہترین طریقے سے چل رہا تھا۔مگر پھر ایک دن اس کے سامنے ایک سیاہ راز کھلا۔اس این جی او کے اونر سے متعلق ایک ایسا انکشاف ہوا جسے سن کر دو لمحے کیلئے وہ سناٹوں کی زد میں چلی گئی۔

دلاور فراز دی گریٹ ہیومن اون دی ایرتھ،اس کی ایک بھیانک صورت عروہ کے سامنے آئی۔وہ شخص جو بظاہر تو ایک نیک پرور انسان تھا مگر اندر ہی اندر وہ کالے دھندوں میں ملوث تھا۔اس کا دھندہ تنہا اور لاچار عورتوں کی خرید و فروخت کا تھا۔وہ عورتوں کو اپنی این جی اوز میں لاتا تھا۔ان سے ہمدردی جتاتا،انہیں ہنر سیکھاتا اور دنیا کے سامنے اچھائی کا لبادہ اوڑھے رکھتا۔جب وہ عورتیں اس کے احسان تلے دب جاتیں اور جب وہ اس کی نیک دلی کی گرویدہ ہو جاتی تھیں تب شروع ہوتا تھا اس کا اصل کام۔وہ ان عورتوں کو جو این جی او سے بہترین ہنر سیکھ جاتی تھیں،انہیں جاب یا کاروبار کروانے کے لالچ میں دوسرے ملک بھیج دیتا تھا۔اکثر عورتیں اس کی ڈرگز ڈیلنگ کا ذریعہ بنتیں۔جب بھی وہ دوسرے ملک جانے کیلئے تیار ہوتیں وہ انہیں کچھ سامان دیتا تھا اور انہیں کہتا کہ ائیرپورٹ سے نکل کر ہی اس کا ایک آدمی یہ سامان لے جائے گا۔یہ سارا سامان لوگوں کی خدمت کیلئے ہے۔دنیا کے سامنے تو وہ ایک

فرشتہ صفت انسان تھا۔اس کے احسانوں تلے دبی وہ عورتیں کبھی اس پر شک کر ہی نہیں سکتی تھیں۔اور وہ اس کے کہنے کے عین مطابق وہ سامان لے جاتیں۔ کتنی ہی مظلوم عورتیں اس مقصد کو پورا کرنے کے چکر میں پکڑی گئیں۔ کتنی ہی عورتیں ناجانے کتنے سالوں کی سزا میں جیل چلی گئیں۔اور جو عورتیں ڈرگز ڈیلنگ میں بچ جاتی تھیں۔وہ جاب کے سلسلے میں اس کے بتائے ایڈریس پر پہنچ جاتیں۔اس بات سے بے خبر کے وہ ان کی نوکری کا ایڈریس نہیں ان کی غلامی کا پتہ تھا، جہاں سے واپسی ناممکن تھی، جہاں ایک جہنم ان کی خوش آمد کیلئے تیار تھی۔دلاور فراز نامی اس بلا نے ناجانے کتنی عورتوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا تھا۔

عروی ایک دن معمول کے مطابق کام ختم کر کے گھر کیلئے نکل رہی تھی کہ ایک کولیگ فرینڈ نے اسے رکنے کا کہا۔وہ اپنی دوست کے انتظار میں رک گئی۔وہ اسی کے آفس میں ہی جا کر بیٹھ گئی تھی۔اس کی وہ کولیگ داور فراز کی اسسٹنٹ تھی۔وہ داور فراز کے ساتھ ایک ہی آفس شیئر کرتی تھی۔داور فراز کے پاس ملک کے ہر کونے میں پھیلی ہر برانچ کی مکمل معلومات سیو ہوتی تھیں۔یہی وجہ تھی کہ داور فراز کا پورا کمرہ ڈھیروں فائلز سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سب فائلز کیسی تھیں کیسی نہیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ان فائلز کو ہاتھ لگانے کی اجازت کسی کو نہ تھی۔

اس دن داور فراز جلدی چلا گیا تھا۔ عروہ کی وہ دوست اسی کا چھوڑا کام نمٹا رہی تھی۔ تبھی اسے دیر ہو جانے کا خدشہ تھا۔ اکیلے آفس میں رہنے سے بہتر تھا کہ عروہ اس کے ساتھ ہوتی۔ وہ دونوں کام کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی مصروف تھیں۔ عروہ کی نگاہ بار بار ایک ترتیب میں پڑی ان فائلز کی جانب اٹھتی تھی۔ آخر کیا تھا ان فائلز میں جو کسی کو بھی انہیں چھونے کی اجازت نہ تھی۔

''روحا! ان فائلز میں ایسا کیا ہے جو باس نے انہیں اتنا لاک کر کے رکھا ہے؟'' عروہ نے تجسس سے پوچھا۔

''کیا معلوم؟ این جی او سے متعلق خاص انفارمیشن ہو گی تبھی انہیں سٹرکٹ سیکیورٹی میں رکھا ہے۔ داور سر کے آفس میں وہ بھی شیشے کی الماری میں لاک کر کے۔''

''تم نے کبھی چیک نہیں کیا؟'' عروہ نے ایک بار پھر تجسس سے پوچھا۔ وہ ساتھ ساتھ ہاتھ میں پکڑی کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

''نہیں، بھلا میرا کیا کام جو میں ان فائلز کو دیکھوں۔'' روحا کندھے ہلاتی مصروف انداز میں بولی۔ وہ کھٹا کھٹ لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔

”ویسے اس الماری میں جو فائلز ہیں یہ تو سر مجھ سے درست کرواتے رہتے ہیں۔ان میں سبھی برانچز سے ریلیٹڈ انفارمیشن ہے۔“اس نے اپنے دائیں جانب موجود الماری کی جانب اشارہ کیا۔

”مگر یہ والی الماری اس الماری کو کوئی چھو تو لے،ناجانے سر میں کونسی روح گھس آتی ہے۔ سامنے والے کی روح نکال دیتے ہیں۔“وہ جھر جھری لیتی بولی۔

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تمہارے ساتھ ہو چکا ہے۔“عروہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ کھٹا کھٹ چلتے ہاتھ رک گئے۔اس نے پلٹ کر معصومانہ نگاہوں سے عروہ کو دیکھا۔

”میرے ساتھ ہی تو ہوا ہے۔داور سر اتنی بری طرح مجھ پر چلائے تھے ناکہ تمہاری سوچ ہے۔میں نے تو پکا ارادہ کر لیا تھا کہ دوبارہ آفس نہیں آؤں گی۔وہ تو دلاور سر کی کال آئی تھی، داور سر کی باتوں پر معذرت کر رہے تھے۔تو میں نے واپس آفس جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا۔“اس کی بات پر عروہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

”واقعی! مطلب یہاں ضرور کچھ تو خاص چھپا ہے۔میں تو کہتی ہوں یہ درست موقع ہے دیکھ لیتے ہیں۔عروہ کی بات پر روحا نے فوراً ہاتھ کھڑے کر لیے۔

”نا بابا نا میں تو بالکل پنگا نہیں لینے والی۔اور ویسے بھی چابی داور سر کے پاس ہی ہوتی ہے۔وہ تو جب کبھی کوئی فائلز نکالنی رکھنی ہوں تو سر مجھے دے دیتے۔ نہیں تو اپنی ڈرار میں ہی رکھتے ہیں۔اور ڈرار لاک کر کے چابی ساتھ لے جاتے ہیں۔“اس نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہا۔

مگر عروہ کا جوش اب بھی ویسا ہی تھا۔وہ ہمیشہ سے ایک پر اعتماد لڑکی تھی مگر میکال کی محبت نے اسے مزید پر اعتماد اور ہر خوف سے بالا تر بنا دیا تھا۔

”کونسی ڈرار میں ہوتی ہے بتاؤ مجھے؟“وہ یکدم ہی کافی کا کپ رکھتی کھڑی ہوئی۔ساتھ ہی داور کی میز کی جانب بڑھی۔

”عروہ پاگل ہو گئی ہو کیوں شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنا چاہتی ہو؟“اس نے لیپ ٹاپ گود سے اتار کر میز پر رکھا اور خود بھی کھڑی ہو گئی۔

”تم یہ سب چھوڑو اور مجھے ڈرار بتاؤ“عروہ اب ہلکا سا جھک کر میز کی ساری درازیں دیکھ رہی تھی۔وہاں تین درازیں بنی ہوئی تھیں۔اس کی کولیگ اسے منع کر رہی تھی مگر عروہ نے اسے گھور کر زرا سختی سے گھورا تو اس نے چاروناچار سب سے پہلی درست کی جانب اشارہ کیا۔عروہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے فوراً اپنے سر سے ایک پن اتاری اور ڈرار کھولنے لگی۔وہ چاہتی تو سیدھا الماری کا لاک بھی کھول سکتی تھی۔مگر وہ جدید قسم کا لاک

تھا اور پھر شیشے کا بنا ہوا وہ اس پر زیادہ زور آزمائی کرتی تو ٹوٹنے کا خطرہ تھا۔ مگر یہ ڈرار لکڑی کی تھی اور اس کا لاک کھولنا بہت آسان تھا۔ وہ یہ کام پہلے بھی کئی بار کر چکی تھی۔ جب بھی کبھی اس کی امی کی الماری کا لاک خراب ہوتا، یا جب بھی کبھی اس کی کوئی ڈرار لاک ہوتی اور چابی گم جاتی وہ اسے پن کے ذریعے باآسانی کھول لیتی تھی۔ یہ تکنیک اس نے اپنے بابا سے سیکھی تھی۔ اور جب انسان کوئی ہنر سیکھ جائے تو اسے آزمانے کی جگہیں تلاشتا رہتا ہے۔ عروہ کو بھی ایک جگہ مل گئی تھی۔ یہ چیز بہت دلچسپ تھی۔ چھپ کر آفس کا لاک کھولنا اور پھر جلدی جلدی چھان بین کرنا۔ وہ کافی ایکسائیٹیڈ سی تھی۔

"عروہ یہ کام مت کرو یار! سر نے کہا تھا کہ وہ جلدی فارغ ہو گئے تو گھر جانے سے پہلے ایک چکر لگاتے جائیں گے۔ اگر وہ آ گئے تو؟" روحا پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا۔ صرف کچھ فائلز ہی تو ہیں۔ اور ویسے بھی زیادہ سے زیادہ کیا ہی ہو جائے گا؟ مجھے نوکری سے نکال دیں گے بس! میں اپنی این جی او کھول لوں گی۔" وہ کندھے اچکاتی لاپرواہی سے بولی۔ یہ میکال کا تھمایا اعتماد تھا جو بول رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کام وہ اپنی مرضی سے کر رہی ہے۔ جس دن وہ جاب چھوڑ کر این جی او کھولنا چاہے گی اس کا شوہر اس کا سب سے بڑا سپورٹ سسٹم ہو گا۔

"تمہارا تو ٹھیک ہے مگر میرا کیا ہو گا؟ مجھے اس نوکری کی اشد ضرورت ہے۔"

"تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھ لوں گی کیوں پریشان ہوتی ہو۔" وہ اب بھی مصروف انداز میں بولی۔

"عروہ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ مت کرو یہ کام۔" وہ اسے مسلسل روک رہی تھی۔ تبھی کلک کی آواز آئی۔ لاک کھل گیا۔ عروہ نے سراہتی نگاہوں سے اپنے کھولے لاک کو دیکھا۔ پھر روحا کی جانب مڑی۔

"فکر مت کرو، فرسٹ آف آل کچھ نہیں ہو گا، اور اگر کچھ ہوا بھی تو میں سارا الزام خود پر لے لوں گی۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ٹھیک ہے؟ اور ویسے بھی کچھ تو تب کہیں گے جب انہیں کچھ معلوم ہو گا۔" وہ اتنا کہتی چابی رلانے لگی۔ وہ چابی اسے مل دکھائی دے گئی۔ عروہ نے چابی اٹھائی اور شیشے کی اس الماری کی جانب بڑھی۔ اس نے لاک کھولا اور ایک فائل نکال کر دیکھی۔

وہ فائل بالکل معمولی تھی۔ این جی او کے اکنامکس کے بارے میں۔ پھر اس نے دوسری فائلز کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ ایک ایک کر کے قطار میں موجود ساری فائلز دیکھ چکی تھی۔ مگر کسی فائل میں کچھ بھی خاص نہ ملا۔

ان سب کو اتنا چھپا کر رکھنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟ یہ سب تو بس این جی او کی اکنامکس کی معلومات ہیں۔ عروہ کا سارا جوش و ولولہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ اب خالی الماری کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے کہا بھی تھا پر تمہیں ہی انہیں دیکھنے کی پڑی تھی۔ اب جلدی واپس رکھو یہ سب۔ روحا فوراً سے فائلز سمیٹنے لگی۔ عروہ اس الماری کو دیکھتی آگے بڑھی۔ اس الماری کے پیچھے موجود دیوار کا رنگ کچھ الگ تھا۔ باقی سب دیواروں سے تھوڑا ہلکا۔

روحا جیسے ہی فائلز اٹھائے رکھنے کیلئے پلٹی اس نے عروہ کو اس دیوار کو تھپکتے دیکھا۔ عروہ نے پہلے اس دیوار کو تھپکا پھر الماری سے باہر موجود دیوار کو۔ الماری والی دیوار میں کچھ خالی پن محسوس ہوا تھا۔

روحا یہاں کچھ ہے؟ یہ دیوار، یہ دیوار کھوکھلی سی ہے۔ عروہ نے کہتے ہوئے اس دیوار کو جانچنا شروع کیا۔

عروہ تم کیا جاسوس بننے کی کوشش کر رہی ہو، چھوڑو یہ فضول کام۔ اور ہٹو مجھے یہ فائلز واپس رکھنے دو۔ وہ اسے پیچھے ہونے کا کہہ رہی تھی مگر عروہ مزید قدم آگے بڑھا گئی۔ اس نے کنارے ٹٹولنے شروع کیے اور پھر دائیں جانب کو اسے ایک خلاسی محسوس ہوئی۔ عروہ سمجھ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گئی۔اس نے دیوار کو دھکیلنا شروع کیا تو وہ باآسانی کسی ریکنگ ڈور کی طرح کھلتا چلا گیا۔اس کے پیچھے ایک اور الماری موجود تھی۔فائلز سے بھری ہوئی۔روحا تو آنکھیں کھولے ان فائلز کو دیکھ رہی تھی۔عروہ نے آگے بڑھ کر ایک فائلز نکالی اور اس کے صفحات پلٹا کر پڑھنا شروع کیا۔جیسے جیسے وہ پڑھ رہی تھی اس کے چہرے پر بے یقینی پھیلتی چلی گئی۔ہر پلٹتے صفحے کے ساتھ اس کا چہرہ پھیکا پڑتا جارہا تھا،یوں جیسے کوئی آرٹسٹ اپنے بکھیرے رنگوں کو مٹانے کیلئے سفید رنگ پھیر رہا ہو۔ہاں بالکل! سفید رنگ...اس کا چہرہ واقعی سفید پڑتا جارہا تھا۔یوں جیسے سانسوں کی قلت سے پڑنے لگتا ہے۔

عروہ نے مری مری نگاہوں سے روحا کو دیکھا۔اس کی وہ پریشان نگاہ سے روحا ٹھٹک کر آگے بڑھی۔

''کیا ہوا ہے؟سب ٹھیک ہے نا؟''اس نے پریشانی سے پوچھا۔عروہ نے چکراتے ذہن کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

''یہ...''اس نے تھوک نگلی۔

''روحا یہ فائلز...یہ وومن ٹریفکنگ کی ہیں۔''اتنا کہتے ہی وہ پریشانی سے سر تھام گئی۔

Clubb of Quality Content

"ان پر دلاور سر کے سائن ہیں۔ مطلب یہ سب... یہ سب اسی لیے یہاں چھپا کر رکھی گئی تھیں۔ دلاور سر اور داور سر وہ وومن ٹریفکنگ کرتے ہیں۔" عروہ نے حیرانی سے کہتے ہوئے روحا کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے ہمیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہو۔ وہ دونوں ایسے نہیں ہیں۔ وہ لوگ تو بہت نیک انسان ہیں۔ وہ یہ سب کیسے؟" روحا خود پریشان تھی۔ اب وہ عروہ کے ہاتھ سے فائل لے کر خود پڑھ رہی تھی۔

"وہ سفیدی کے لبادے میں لپٹے سیاہی مائل لوگ ہیں روحا۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ آخر اس الماری میں رکھا کیا ہے۔ مجھے ہمیشہ کچھ گڑبڑ لگتی تھی لیکن یہ سب میں نے نہیں سوچا تھا۔ روحا یہ ان کے سیاہ رازوں کا اڈا ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر قطار سے مزید فائلز نکالیں۔ ان سب فائلوں میں ٹریفکنگ کی ہر انفارمیشن موجود تھی۔ جو عورت بھیجی گئی تھی اس کا نام، مقام، وقت، اور رقم... سب تفصیل سے درج تھا۔" وہ سب دیکھ کر ایک لمحے کیلئے عروہ کی روح کانپ گئی تھی۔ مگر اس نے ہمت کر کے ساری فائلز کی تصویریں بنانا شروع کیں۔ روحا پہلے پہل پریشانی سے سب دیکھ رہی تھی۔ پھر جیسے اس کے ذہن نے کام کیا وہ فوراً عروہ کی جانب بڑھی۔

"عروہ، عروہ یہ کیا کر رہی ہو۔" اس نے عروہ کو روکنا چاہا۔ عروہ نے اس کا ہاتھ پیچھے کیا اور مزید تصویریں بنانے لگی۔

"میں انہیں یہ سب کرنے نہیں دے سکتی۔ میں نے، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا یہ لوگ ایسا کریں گے۔ دنیا کے سامنے پارسا بننے والوں کی حقیقت میں سب کھولوں گی۔" وہ عجیب سی حالت کا شکار کہتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ تصویریں بناتی جا رہی تھی۔

"عروہ اگر ان لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ تم ان لوگوں سے پنگا مت لو۔ ایسے لوگوں کی پہنچ بہت دور تک ہوتی ہے۔ وہ لوگ ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ ایسے لوگ بہت ظالم ہوتے ہیں یار!" روحا اسے خبردار کر رہی تھی مگر عروہ کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ اس نے انسانیت کی خدمت کیلئے یہ ادارہ جوائن کیا تھا مگر یہاں تو انسانیت کی کھلی تذلیل ہو رہی تھی۔ وہ چپ رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس میں ان لوگوں سے لڑنے کی ہمت تھی، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ میکال اسے ہر جہنم سے نکالنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ دلاور فراز کی جہنم سے نکلنا کسی کیلئے ممکن نہ تھا۔

اس دن عروہ نے وہاں موجود ہر فائل کی تصویر بنا لی تھی۔ اور واپس سے پوری الماری درست کر کے بند کر دی۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ مگر صرف تب تک جب تک

داور فراز نے اگلی فائل رکھنے کیلیئے وہ الماری نہ کھولی تھی۔داور فراز نے ہر فائلز کو ایک خاص کوڈ کے ذریعے سیٹ کر کے رکھا تھا۔ہر فائلز کی طرح ان فائلز پر بھی نمبر لکھے تھے۔کوئی بھی عام انسان وہ فائلز اٹھاتا تو انہیں ان نمبرز کے مطابق سیٹ کرتا۔عروہ اور روحا نے بھی یہی کیا۔مگر ان فائلز پر نمبرز کے نیچے ایک کوڈ لکھا تھا۔جیسے فون نمبر ہوتے ہیں ویسے ہی آٹھ لفظوں پر مشتمل کوڈ۔اب وہ فائلز نمبرز کی ترتیب سے تو سیٹ تھیں مگر ان کے کوڈ نمبرز آگے پیچھے تھے۔اور بس داور فراز سمجھ گیا کہ اس کی غیر موجودگی میں کسی نے چھیڑ چھاڑ کی ہے۔اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔وہ فوراً دلاور فراز کے پاس گیا تھا۔

انہوں نے یہ بات پورے میں پھیلانے کی بجائے اصل مجرم کو ڈھونڈنے پر زور دیا۔انہوں نے سیدھا کیمرے چیک کیے۔عروہ اور روحا دونوں ہی کیمرے میں صاف دکھائی دے گئیں۔

اس کے بعد دلاور فراز نے ان دونوں کو اپنے آفس بلایا۔

دلاور فراز نے اسے وہ سب تصویر ڈیلیٹ کرنے کا کہا۔مگر عروہ نہ مانی۔اس دن دلاور فراز نے ان دونوں کو کافی بلیک میل کیا۔کافی ہراساں کیا مگر عروہ نہ مانی۔عروہ نے روحا کو اس

معاملے سے دور رکھنے کا کہا۔اس نے گزارش کی کہ روحا کو جانے دیں اس کا کوئی قصور نہیں۔

مگر دلاور فراز اس کے راز جان جانے والوں کو کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

دلاور نے انہیں تین دن کا وقت دیا تھا۔اگر تین دن بعد بھی اس نے فائلز کی تصویریں ڈیلیٹ نہ کیں تو انجام کی زمہ دار وہ خود ہو گی۔

عروہ گھر آئی تو حد سے زیادہ ڈپریسڈ تھی۔اس نے میکال کو فون کیا۔میکال ان دنوں ہلفیتی گیا ہوا تھا۔اس نے میکال کو ہر بات بتادی۔میکال اگلے ہی دن واپس آگیا۔ان دونوں نے دلاور کے خلاف کمپلین درج کروانے کا فیصلہ کیا مگر اس سے پہلے ہی روحا اور ان کے بیٹے کو اغواء کروالیا گیا۔عروہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ تصویریں ڈیلیٹ کر دے۔اور پھر عروہ نے ایسا ہی کیا۔وہ ایک ماں تھی اور اپنی اولاد کی خاطر اس نے سارے ثبوت ڈیلیٹ کر دیے تھے۔مگر دلاور فراز اپنے پیچھے گواہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔اس نے روحا اور ان کے بیٹے کو مار دیا۔عروہ تو جیتے جی مر گئی۔اس کے بیٹے کو اس کی نگاہوں کے سامنے مارا گیا تھا۔اس کا ذہن وہ لمحہ،وہ صدمہ برداشت نہیں کر پایا تھا۔اسی لیے اس کی طبیعت بگڑتی چلی گئی۔

ان کے پاس اب نہ تو دلاور فراز کے خلاف کوئی ثبوت باقی رہا تھا نہ اولاد۔دلاور فراز کی پہچان بہت دور دور تک تھی۔دلاور نے عروہ کا پیچھا ادھر تک نہ چھوڑا۔وہ اس کے بعد بھی اسے

ہراساں کرتا رہتا۔وہ جب بھی کہیں جاتی دلاور کے بندے اس کے پیچھے پہنچ جاتے۔عروہ نے گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا۔یہ سب تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔میکال نے اسے ان سب سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی۔وہ عروہ کو پاکستان سے ہلفیتی لے گیا۔وہاں اس چھوٹے سے قصبے میں سکون تھا۔وہ آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹنے لگی،ڈاکٹر مراد سے اس کی پراپر ٹریٹمنٹ چل رہی تھی۔دوسری طرف میکال نے خاموشی سے دلاور فراز اور داور فراز دونوں کا کام تمام کر دیا۔

جب عروہ زندگی کی طرف لوٹنے لگی تو میکال واپس پاکستان شفٹ ہو گیا۔اس کا ہسپتال یہاں تھا وہ ہمیشہ کیلئے ہلفیتی نہیں رہ سکتا تھا۔مگر عروہ کی حالت پھر سے بگڑنے لگی۔میکال نے گھر بدل لیا۔مگر برستی بارش،ستاروں سے بھرے آسمان اور ہر وہ چیز جس سے ان کے بیٹے کی یاد جڑی تھی،وہ سب دیکھ کر عروہ کی حالت بگڑ جاتی۔میکال شہر کا سب سے بڑا سائیکیٹرسٹ ہو کر بھی اپنی بیوی کا علاج نہ کر سکا۔یہ چیز اسے اندر سے کھانے لگی تھی۔ہر بار اس کی بگڑتی حالت کو دیکھ کر اس کے اندر شعلے بھڑکنے لگتے۔وہ انتقام لے کر بھی سکون میں نہیں تھا۔وہ بہترین ماہرِ نفسیات ہو کر بھی اپنی بیوی کو زندگی کی طرف نہیں لوٹا سکا تھا۔اس کا دل کہتا تھا کہ وہ اپنے کام میں فیل ہو چکا ہے مگر اس کا ذہن ماننے کو تیار نہیں تھا۔وہ خود کو ناکام کیسے

تسلیم کرلیتا۔ وہ خود آہستہ آہستہ ذہنی طور پر بیمار ہونے لگا۔ وہ عروہ کی ہر بگڑتی حالت کا غصہ کسی دوسرے ظالم پر نکالنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر سمریز کا استعمال شروع کر دیا۔ دوسری طرف سمریز ثناء کے ساتھ ایک نئی زندگی کی جانب لوٹ رہا تھا۔ میکال سے اس کا زندگی کی طرف لوٹنا برداشت نہ ہوا۔ وہ اسے ایک کٹھ پتلی کی طرح استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر اس نے یہی کیا۔ ثناء کو قتل کر کے وہ سمریز کو تنہا کر گیا۔ اور اب وہ تیار تھا اپنی ناکامی کا غصہ قتل کر کے نکالنے کیلئے وہ بالکل تیار تھا۔ یہ ایک قسم کی نفسیاتی بیماری ہوتی ہے جس میں انسان اپنی ناکامی اور اپنی بے بسی کو قبول کرنے کی بجائے چھپا کر دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے لگتا ہے وہ بھی یہی کر رہا تھا اپنی بے بسی چھپا کر وہ دوسروں کو اپنے غصے اور انتقام نشانہ بنا رہا تھا۔

میکال نے یہ ساری بات سمریز کے گوش گزار کر دی۔ عروہ کیلئے سمریز کے دل میں ہمدردی ابھری۔ اس کی آنکھوں میں کچھ نرمی پھیلی تھی۔

"مانا کہ تمہاری بیوی اور بچے کے ساتھ برا ہوا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم قتل و غارت شروع کر دو۔ کتنے لوگوں کو مروایا ہے تم نے جانتے بھی ہو تم؟" وہ تقریباً چلایا تھا۔

میکال اداسی سے مسکرا دیا۔

"مگر قتل تو تم نے کیے ہیں پیارے بھائی!" وہ گردن اکڑائے سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔دو لمحے کیلئے سمریز کچھ کہہ نہ سکا۔

"تم نے مجھے اپنے قابو میں کیا تھا۔میں نے وہ سب ارادی طور پر نہیں کیا تھا۔مگر تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا۔اور تم سزا سے بچ نہیں سکتے میکال!" سمریز کی آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔آگ کے بھڑکتے شعلے،سب کچھ تباہ کردینے والے،سب کچھ جلا کر راکھ کردینے والے شعلے۔

"سزا تب دینا جب اس کے قابل بچو گے۔یہ تمہارا دیس،تمہارا شہر نہیں ہے۔یہ میرا شہر ہے۔یہاں سب میری سنتے ہیں۔اور تمہیں بھی صرف مجھے سننا ہوگا۔ابھی تو ایک اور راز بھی بتانا ہے تمہیں۔" وہ سکون سے کہتا آگے کو جھکا۔

"کیا بتانا ہے اب؟" سمریز نے اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے کہا۔

"بتانا نہیں دکھانا ہے اس بار۔" اس کے چہرے پر پر اسرار مسکراہٹ چھا گئی۔سمریز کی آنکھوں میں الجھن بکھری۔

میکال نے کشتی بان کو اشارہ کیا۔کشتی آگے بڑھنے لگی۔وہ آدھے ڈوبے گھروں کو دیکھتے آگے جاتے جا رہے تھے۔

وہ گھر، وہاں دفن راز بالکل ان کی زندگی کی مانند تھے۔ان دونوں نے ہی اپنی زندگی میں سب کچھ گنوایا تھا۔ماں، باپ پھر بیوی، بچے ہر چیز گنوا کر وہ دونوں خالی ہاتھ ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ کتنا میل کھاتی تھیں دونوں کی زندگیاں ایک دوسرے کے ساتھ...

کچھ دیر بعد کشتی ایک مقام پر آ کر رکی۔ سمریز نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔وہ کسی اونچے گھر کی چھت تھی جس کے ساتھ کشتی کو باندھا جا رہا تھا۔میکال کھڑا ہوا تو سمریز کو بھی نہ چاہتے ہوئے اٹھنا پڑا۔میکال نے کشتی سے باہر گھر کی چھت پر چھلانگ لگائی۔ سمریز بھی اس کے پیچھے آیا۔ میکال اسے لیے آگے بڑھتا گیا۔یہاں تک کہ اس مکان کی چھت ختم ہو گئی۔سامنے دیوار تھی۔اور اس کی دوسری طرف ایک اور گھر، ایک اور چھت۔اس دیوار کے ساتھ ہی ایک سیڑھی لگی تھی جو دوسری چھت کی جانب جا رہی تھی۔میکال نے آگے بڑھ کر لوہے کی سیڑھی چڑھنا شروع کی۔ سمریز بھی اس کے پیچھے تھا۔

"ہم جا کہاں رہے ہیں؟" سمریز نے محتاط انداز میں آگے کو جاتے پوچھا۔وہ بنا کچھ بولے بس چلتا چلا جا رہا تھا۔

"یہاں چھپے رازوں میں سے ایک کو جاننے!" وہ پراسرار سا مسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسے لیے ایک جانب کو بنے کمرے میں داخل ہوا۔

کمرہ نیم اندھیر تھا۔ کھڑکیوں سے ہلکی ہلکی روشنی چھن چھن کر کمرے میں گر رہی تھی۔

کمرے کے ایک کونے میں بیڈ رکھا گیا تھا۔اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی الماری، ایک رائیٹنگ ڈیسک اور ایک آئینہ۔ وہ نگاہ دوڑاتے آگے بڑھا، میکال دروازے پر ہی رک گیا تھا۔اس جگہ کو دیکھ سمریز کی دھڑکن کچھ ماند پڑی تھی۔ایک عجیب سا احساس اسے گھیر گیا۔اس کمرے کی سیٹنگ، وہاں چیزوں کی ترتیب، زمین پر پڑے دو جوتوں کے جوڑے ایک انداز میں پڑے تھے... یہ سب آخر کیا تھا؟

ابھی وہ مڑ کر میکال سے کچھ کہتا کہ ایک آہٹ پیدا ہوئی۔ سمریز نے چونک کر اس جانب دیکھا۔ایک شخص تولیے سے منہ پونچھتا باہر نکلا تھا اور اب الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔دو لمحوں کیلئے سمریز کا سر چکرا کر رہ گیا۔قدم جیسے کئی فٹ تک زمین میں گڑ گئے۔اس میں چلنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔

آنے والا شخص اپنی ضعیف آنکھوں سے بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔پھر اس کے چہرے پر شناسائی بکھری۔وہ زیرِلب ہلکا سا بڑبڑایا۔

"میکال!" سمریز جو سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا اس پر جیسے ڈھیروں پانی آپڑا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس بار بڑے مہینوں بعد آئے ہو۔ایک تو میری نظر اتنی کمزور ہوتی جارہی ہے کہ کچھ بھی ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا۔اب دیکھو تمہیں پہچاننے میں ہی کتنا وقت لگ گیا۔میں نے پہلے بھی کہا تھا میری عینک کا نمبر بڑھ گیا ہے دوسری بنوادو مگر تم تو پتا نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے۔" وہ شخص آہستگی سے کہتا اپنے بیڈ کی جانب بڑھا۔اب وہ تولیے کو فولڈ کر کے سائیڈ ٹیبل میں رکھ رہا تھا۔پھر سائیڈ ٹیبل سے اپنی عینک اٹھا کر پہنی۔یہ انداز، یہ آواز، یہ صورت... کتنے عرصے بعد اسے دیکھنے کو ملی تھی۔سمریز بے جان ہوتے قدموں کے ساتھ ان کی جانب بڑھا۔اس لیے کپکپاتے ہاتھوں سے انہیں چھونا چاہا۔

"چاچو!" اس کے ہونٹوں نے کمزور سی حرکت کی تھی۔عالمگیر نے چونک کر دیکھا۔وہ اس آواز کو کسی بھی عمر میں پہچان سکتے تھے۔یہ ان کے بیٹے کی آواز تھی۔یہ ان کے سمریز کی آواز تھی۔

"سمریز!" وہ جیسے بے یقینی سے بولے تھے۔سمریز کے ہونٹ کپکپائے۔وہ مزید کچھ کہنے کے قابل نہ بچا تھا۔عالمگیر لاغر وجود کے ساتھ اور سمریز بے یقینی میں ڈوبے وجود کے ساتھ ان سے لپٹ گیا۔

"چاچو! آپ زندہ ہیں۔ آپ زندہ ہیں چاچو! آپ ٹھیک ہیں نا؟" وہ یکدم کسی چھوٹے بچے کی طرح رونے لگا تھا۔ اس کی زندگی اٹھارہ سال کے اس سمریز کے وقت میں واپس لوٹ گئی تھی۔ جب عالمگیر کا قتل ہوا تھا۔ درحقیقت تو اس کی زندگی ہمیشہ سے وہیں ٹھہر گئی تھی۔ آج لگا کہ جیسے گھڑی نے حرکت کی ہو، وقت آگے بڑھا ہو۔

"میں ٹھیک ہوں۔ میکال نے مجھے بچا لیا تھا اس دن۔" چاچو اس کے کندھے پر سر رکھے بتانے لگے۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر سمریز کو دیکھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں پانی جمع تھا۔ انہوں نے محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، پھر اس کے کندھے تھپتھپائے۔

"میرا چھوٹا سا سمریز کتنا بڑا ہو گیا ہے ماشاءاللہ!" وہ بے حد محبت سے بولے۔ آنکھوں میں نمی جگمگا رہی تھی۔

میکال جو پچھلے کئی لمحوں سے ان دونوں کی یہ جذباتی ملاقات دیکھ رہا تھا یکدم ٹیک چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہوا۔ پھر تالیاں بجاتا آگے آیا۔

"بہت اعلیٰ ملاقات تھی بھئی۔ مزہ آگیا دو بچھڑے ہوؤں کو دوبارہ ملتے دیکھ۔"

"تم نے... تم نے چاچو کو یہاں کیوں رکھا تھا۔ آخر چاہتے کیا ہو تم؟" سمریز غصے سے اس کا گریبان جکڑ گیا۔ میکال نے ایک نگاہ اسے پھر اس کے گریبان جکڑے ہاتھوں کو دیکھا۔

Clubb of Quality Content

"تمہاری تباہی۔" اگلے ہی لمحے اس نے اس کے ہاتھوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا۔

"میں صرف تمہیں تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے جب میں نے شاہد بخاری کے ساتھ مل کر تم لوگو کی تباہی کا پلان بنایا تھا تو تمہیں کٹھ پتلی کی طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں چاہتا تو کسی بھی اور انسان کو اس کام کیلئے بن سکتا تھا۔ مگر میں نے تمہیں استعمال کرنا چاہا۔" وہ بغور سمریز کی سخت ہوتی نگاہوں میں دیکھتے کہے جا رہا تھا۔

اور تم نے یہ سب کیسے کیا؟ آخر تم نے مجھے اپنے کنڑول میں کیا کیسے؟ وہ سختی و حیرانی کے ساتھ گویا ہوا۔ میکال ہلکا سا مسکرایا پھر کچھ آگے کو ہو کر بیٹھا۔

"تمہیں یاد ہو گا عالمگیر بخاری کے مرنے سے چند دن پہلے تمہیں اغواء کیا گیا تھا۔" سمریز کو جیسے وہ وقت یاد آیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ کافی دن گھر سے باہر رہا تھا۔ جب وہ ہوش میں آیا تھا تو عالمگیر بہت پریشان تھے۔ وہ انہوں نے ہی اسے بتایا تھا مگر اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ اتنے دن کہاں رہا۔ اس نے پر سوچ نگاہوں سے میکال کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں حیرانی و پریشانی کے ملے جلے سے تاثرات بھی تھے۔

"میں نے ہی تمہیں اغواء کروایا تھا۔ میں نے ان دنوں میں تمہاری تربیت کی تھی۔ میں نے تمہیں بیلا چاؤ کے لیرکس کے ذریعے ہپناٹائز کیا تھا اس طرح کے ہر بار اس گانے کو سننے پر تم

اپنے ہوش کھو دیتے تھے اور صرف ایک کٹھ پتلی بن کر رہ جاتے تھے۔ایسی کچھ پتلی جو صرف میری آواز سے چلتی تھی۔وہ سات دن میں نے ہی تمہارے ذہن سے مٹا دیے تھے۔اور پھر جب تم واپس گھر لوٹے تو سمریز نہیں تھے، تم عالمگیر کی موت کا سامان تھے۔" میکال دانت جمائے سختی سے بولا تھا۔سمریز کے ماتھے کی رگ پھڑ پھڑانے لگی تھی۔اس کیلئے ضبط کرنا مشکل ہونے لگا تھا۔

"میں نے ایسی پلاننگ رچائی تھی کہ تم کبھی کچھ جان نہ پاتے مگر شاید کی ایک چھوٹی سی غلطی نے سارا کام بگاڑ دیا۔اس نے اپنی بیٹی تمہارے ساتھ بیاہ کر سب سے بڑی غلطی کر ڈالی۔اور تم، تم ہمیشہ کی طرح زندگی کی طرف لوٹنے لگے۔تم ہمیشہ زندگی کی طرف لوٹ آتے ہو۔ میں ہر بار پیچھے رہ جاتا ہوں اور تم ہمیشہ سب کچھ حاصل کر لیتے ہو۔" اس کی آنکھوں میں حسد تھا، جلن تھی۔وہ ہمیشہ سے اس حسد کی آگ میں جلتا آیا تھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ اگر میرے سے قدرت نے ہر رشتہ چھین لیا تو میں تم سے بھی ہر رشتہ چھین لوں گا۔اور میں کامیاب بھی ٹھہرا۔میں نے تمہاری ایک بیوی کو مار دیا، دوسری کو تم سے بد ظن کر دیا۔بیٹا تمہارا تمہارے ہاتھ سے چلا گیا۔تمہارے پیارے چاچو کے زندہ ہوتے ہوئے بھی تمہیں ان سے دور رکھا۔مگر کیا ہے نا کہ تم بہت ڈھیٹ ہو سمریز۔تم ہمیشہ کچھ

عرصے کی ذہنی اذیت کے بعد ایک بار پھر زندگی کی طرف لوٹ آتے ہو۔ مگر پتا ہے کیا میں تمہیں تباہی کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ اور اب تو تم ویسے بھی میری جان کو آ گئے ہو۔ تو سوچا کیوں نہ اس کھیل کو ختم کیا جائے۔ کیوں نہ یہاں تمہیں تمہارے پیارے چاچو کے ساتھ سکون کی نیند سلا دیا جائے۔ اس کے بعد میں ہوں گا اور میر ادلا ور فراز جیسے لوگوں کو ختم کرنے کا مقصد۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ سمریز نے غصے سے ایک زوردار مکا اس کے منہ پر دے مارا۔ میکال کا منہ لڑھک کر نیچے کو جھکا۔

یہ مقصد نہیں ہے تمہارا یہ صرف تمہارے ذہن کا خناس ہے۔ تم ایک نفسیاتی انسان بن چکے ہو میکال۔ تم کسی کو سزا دینے کا حق نہیں رکھتے۔ ایک لمحے کیلئے اس کا ذہن سن ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ غصے سے سمریز پر جھپٹا۔

جب ظالم قانون سے بھی زیادہ طاقتور ہوں نا تو انسان کو خود ہی کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ اور جب تک میں زندہ ہوں میں یوں ہی سب کو سزا دوں گا۔ تمہیں میں نے مہرہ بنایا تھا مگر چونکہ تم سب جان چکے ہو تو مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ میں اپنا اگلا مہرہ خود چن لوں گا۔ مگر اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے ایک کے بدلے میں دو مکے اس کے منہ پر جڑے۔ سمریز کا دماغ چکرایا تھا مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے ایک زوردار لات میکال کے پیٹ

میں ماری، میکال جھکا تو سمریز نے موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا دائیاں بازو پکڑا اور منہ کے بل زمین پر پٹک دیا۔

میں تمہیں اس کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔اس بار تو بالکل نہیں میکال۔وہ سختی سے دانت جمائے بولا۔ان دونوں کا تنفس بھاری ہو گیا تھا۔میکال نے اٹھنا چاہا تو سمریز نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی کوشش ناکام بنا دی۔

تمہارا کھیل ختم ہوا میکال شاہنواز۔جانتے بھی ہو جس شخص نے لاشعوری میں 11 لوگوں کا بنا کوئی ثبوت چھوڑے قتل کیا ہو، وہ شعور میں تمہارا کیا حال کرے گا میکال!" وہ جھک کر اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے بولا۔

تم کچھ نہیں کر سکتے۔کچھ بھی نہیں۔میکال کی گردن میں موجود سریا بہت مضبوط تھا اتنی آسانی سے ٹوٹنے والا کہاں تھا۔

تبھی میکال نے اپنے کان میں لگے آلے کو چھوا۔

کام شروع کرو، اگلے پانچ منٹ میں میں باہر..." وہ سخت لہجے میں بولا تھا مگر لہجے میں سختی کے ساتھ ہلکی سی کراہت تھی۔ابھی وہ کچھ آگے کہتا کہ سمریز نے اسے بالوں سے جکڑے ہی سیدھا کیا اور پھر رکھ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے اسی کان پر مارا۔آلہ نکل کر زمین پر گرا تھا۔

جانتے ہو جب میں یہاں آیا تھا تو سوچ کر آیا تھا کہ یا تو اب تم زندگی رہو گے یا میں مگر اب میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ سچائی زندہ رہنے کیلئے ہی ہوتی ہے، زوال تو صرف برائی کو ہے۔ آج تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا میکال۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی جیب سے کچھ نکالا تھا۔ وہ چیز کمرے کی ہلکی روشنی میں چمکی تھی۔ چاندی رنگ کی تیز دھار دھات کی بنی وہ چیز ایک چاقو تھا۔ سمریز نے اسے ہاتھ میں گھما کر میکال کی گردن پر رکھا۔ عالمگیر کی آنکھیں بری طرح پھیلی تھیں۔

"سمریز!" وہ ڈر کے مارے آگے بڑھے۔ وہ اپنے سمریز کو کسی کا قتل کرتے نہیں دیکھا سکتے تھے۔

"سمریز! بچے یہ... یہ کیا کر رہے ہو؟ ایسا مت کرو۔ چھوڑ دو اسے۔ اس کے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ مت رنگو۔" وہ تڑپ کر اسے پیچھے ہٹنے کا کہہ رہے تھے۔

"نہیں چاچو، اس بار نہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے اس نے کس طرح ہماری زندگیاں برباد کی ہیں۔ چاچو آپ پیچھے ہٹ جائیں۔ میں نہیں چاہتے اس کے ناپاک خون کے چھینٹے آپ پر پڑیں۔" سمریز کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ عالمگیر کو یہاں اس حالت میں دیکھ وہ پاگل ہونے والا تھا۔

میکال اس کی بات پر زور سے ہنسا اور پھر دیوانہ وار ہنستا چلا گیا۔

"ناپاک خون؟ آہ!" وہ سر نفی میں ہلاتا بے بسی سے ہنستا چلا گیا۔

"آہ! میرے خون کا ناپاک کہہ رہے ہو تم دونوں! شاید بھول رہے ہو میں تم لوگوں کا ہی خون ہوں۔ میں اپنے باپ کی ٹھکرائی ہوئی اولاد ہوں نا اسی لیے یہ دنیا بھی مجھے قبول نہیں کرتی۔ مگر مت بھولو کہ یہ ناپاک خون تم لوگوں کا ہی ہے۔" وہ دانت جمائے غصے سے چیخا تھا۔

سمریز اس کی بات پر طنزیہ ہنسا تھا۔ پھر اس کی گردن پر چاقو کا زور بڑھاتے اس کے کان کے قریب جھکا۔

"یہ خون تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ناپاک ہوا ہے میکال، نہیں تو ہمارا خون بہت پاک ہے۔ اس خون میں ہمیشہ احساس اور محبت کا امتزاج رہا ہے۔ اور یہی امتزاج تھا جو میرے باپ کو تم لوگوں سے دور رہ کر سکون نہیں لینے دیتے تھا۔ کتنا افسوس ہوتا ہوگا اس شخص کو اپنی سب سے محبوب اولاد کو یوں بے تاج و ظالم بادشاہ بنے دیکھ۔ تف ہے تم پر۔" اس کی بات پر میکال کے جبڑے تنے تھے اور پھر اس نے بڑی ہی مہارت کے ساتھ اپنی کہنی اس کے سینے پر دے ماری۔ سمریز کی گرفت اس کی گردن پر ڈھیلی پڑی تھی۔ میکال نے اس

ایک لمحے کا فائدہ اٹھایا اور اگلے ہی پل اس نے ایک زوردار لات اس کے پیٹ میں دے ماری۔ وہ دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ سمریز کا چاقو ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ اس نے میکال پر وار کیا تو اس کی نظر چاقو پر پڑی۔ اس نے اگلے ہی لمحے وہ چاقو اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کے وہ سمریز کی جانب مڑتا عالمگیر تڑپ کر ان دونوں کے بیچ آ گئے۔

''مت کرو ایسا۔ چھوڑ دو میرے بچے کو۔'' وہ میکال کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگے تھے۔ مگر میکال بالکل آپے سے باہر ہو چکا تھا۔ اسی اثناء میں میکال نے انہیں زور سے پیچھے کی جانب دھکا دیا، وہ بری طرح زمین بوس ہوئے۔ سمریز فوراً ان کی جانب لپکا۔ میکال شدید تپش کی عالم میں اس پر وار کرنے کو لپکا۔ تبھی سمریز نے مڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس ٹھنڈ میں بھی ان دونوں کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔ آگ و آب کے جیسی ان دونوں کی نگاہیں سرخ ہو رہی تھیں۔ میکال پوری طاقت کے ساتھ وہ چاقو اس کی گردن میں گھونپنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ سمریز اسے روکنے کے ساتھ قابو میں کرنے کی کوشش میں لگا تھا۔ سمریز نے اس کا ذہن بٹاتے ہوئے اس کی ٹانگ پر ایک زوردار لات ماری، وہ لڑکھڑایا۔ سمریز نے فوراً موقع

کے فائدے اٹھا کر وہ چاقو اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور ساتھ ہی اس کے خود کو سنبھالنے سے پہلے ایک اور وار کیا۔ میکال بری طرح زمین بوس ہوا تھا۔

''تمہارا وقت ختم ہوا میکال۔'' میکال نے تکلیف سے بند ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر وہ طنزیہ ہنسا تھا، ساتھ ہی ہاتھ کی پشت سے منہ سے بہتا خون صاف کیا۔

''میرا کھیل ختم تو کیا ہوا، بچو گے تم بھی نہیں۔'' وہ ٹوٹے لہجے میں کہتا اٹھنے لگا، اس کی ٹانگوں میں لڑکھڑاہٹ سی ہوئی اور وہ پھر سے گر پڑا۔ سمریز نے جھک کر اس کا کالر پکڑا اور کھڑا کیا۔ ساتھ ہی اسے جھٹکے سے موڑ کر گردن سے دبوچا۔ میکال گردن ہلاتا ہنسنے لگا۔ بے بسی سے، اور شاید موت کے خوف سے بھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے مجھے مارنا اتنا آسان ہے۔ میں تو وہ ہوں جس نے اپنے ہر رشتے کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا ہے۔'' سمریز اس کی گردن پر چاقو کا زور بڑھانے ہی لگا تھا کہ وہ فوراً بولا۔ سمریز کا ذہن بھٹکا تھا اور اگلے ہی لمحے میکال اسے زمین پر پٹک چکا تھا۔

''کہا تھا نا مجھے مارنا آسان نہیں۔'' وہ کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔ ساتھ ہی لبوں کے بیچ انگلی پھنسا کر سیٹی بجائی تھی۔ جیسے کوئی سگنل دیا ہو۔ تبھی کمرے کا دروازہ بند ہونے لگا۔

سمریز لمحوں میں واپس کھڑا ہوا۔ میکال دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دانت سختی سے جمائے بند ہوتے دروازے سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

"میکال تم نے سنا ہوگا کہ ہر دور کے فرعون کیلئے ایک موسیٰ آتا ہے۔ تو جان لو کہ تمہارے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔" وہ پیچھے سے چلایا تھا، الفاظ میکال کی سماعتوں تک پہنچے تو وہ ٹھہر گیا۔ تبھی سمریز نے پوری طاقت سے وہ چاقو پھینکا تھا۔ ہوا میں گھومتا ہوا وہ چاقو اس تک پہنچا اور پھر اس کے سر کی پشت میں کھب گیا۔ وہ جیسے تھا ویسے ہی کھڑا رہا۔ اور پھر بند دروازے کے پار جو آخری منظر سمریز نے دیکھا تھا وہ میکال کے پورے وجود کے ساتھ منہ کے بل زمین پر گرنے کا تھا۔ اس کے بعد جیسے ہر منظر اندھیرے میں ڈوب گیا۔

دوسری جانب میکال کے بے جان ہوتے وجود نے جو آخری چیز محسوس کی تھی وہ فضاء میں شامل راکھ تھی۔ جو دھوئیں کی صورت اس کی بچی کچی چند سانسوں کے ساتھ اس کے وجود میں جا رہی تھی۔ دور کہیں شعلے بھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

oooooooooooooooooooo

کچھ ہی دیر میں وہاں ڈھیروں کشتیوں کا ہجوم لگ گیا۔ کشتی بان، فائر بریگیڈ، پولیس کتنے ہی لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ اور وجہ وہاں بھڑکتی، آسمان کو چھوتی آگ تھی۔ مٹی کے تیل

سے لگی وہ آگ پانی کی سطح پر بری طرح بھڑک رہی تھی۔لوگ آس پاس کا احاطہ کیے آگ بجھانے کی کوشش کرنے میں لگے تھے۔انہی لوگوں میں ایک چہرہ ابھرا۔سفید حجاب میں لپٹا وہ چہرہ پریشانی سے لوگوں کے ہجوم میں آگے بڑھتا جارہا تھا۔اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ کچھ کھو جانے کا گہرا، دل ڈوبا دینے والا خوف۔سفید حجاب میں لپٹا اس کا چہرہ بھی ہر سانس، ہر قدم کے ساتھ سفید پڑتا جارہا تھا۔

وہ دیوار پر لگی سیڑھی چڑھ کر اگلے گھر کی چھت پر اتری۔اس جگہ پر آگ کافی حد تک بجھ چکی تھی۔مگر ہر چیز راکھ تھی۔صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہاں موجود کوئی چیز زندہ نہ بچی ہوگی۔مگر وہ ایک عجیب سے احساس میں لپٹی بڑھتی جارہی تھی۔وہ تھوڑی آگے بڑھی تو ایک جانب کھڑے دو پولیس والوں کے جملے کان سے ٹکرائے۔

”تین لوگ تھے یہاں، تینوں کی ڈیڈ باڈی ملی ہے۔چہرے بھی پہچان میں نہیں آسکتے اتنی بری حالت ہے۔“صلہ کے پورے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔

”میں نہیں جانتا کہ میں اس سفر سے کبھی واپس آؤں گا یا نہیں، مگر میں اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم میرے لیے آگئیں تو میری جان تمہاری امانت ہوگی۔اگر مجھے بچانا چاہتی ہو تو

ہلفیتی آجانا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔" سمریز کے کہے وہ آخری الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔

"صلہ! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ آجاؤ پلیز۔ تمہیں اس محبت کی قسم جس کیلئے تم نے خود کو سرتاپیر بدل دیا۔ ایک آخری بار اپنا ذہن پلٹ کر آجاؤ۔ شاید یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ آخری سانس ٹوٹنے سے پہلے میں تمہیں اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پلیز آجاؤ کہیں دیر نہ ہو جائے۔" اس نے فریاد کی تھی مگر صلہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے دیر ہو چکی ہو۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کے بے ساختہ ابھرتی سسکی روکی۔ یکدم اس کا دل گھٹنے لگا تھا۔ اس نے قدم آگے بڑھانا چاہا مگر یوں لگتا تھا جیسے جان باقی نہ رہی ہو۔ سمریز کے ساتھ گزارے وہ چند خوش پل لمحات نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

وہ ہمت کر کے آگے بڑھنے لگی۔ تبھی اسے زور کی ٹھوکر لگی تھی۔ وہ بری طرح منہ کے بل گرتی کہ عین اسی وقت کسی نے اسے پیچھے سے تھاما تھا۔ صلہ کا دل ایک لمحے کیلئے دھڑکنا بھول گیا۔ وہ لمس، وہ خوشبو، وہ احساس وہ اسے دنیا کے کسی بھی کونے میں پہچان سکتی تھی۔ اس نے پہلے ان ہاتھوں کو چھوا جیسے یقین کرنا چاہا ہو اور پھر اس کے بے جان وجود میں ایک

جان دوڑ گئی۔ وہ لمحے میں پلٹی تھی۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ شہد رنگ آنکھوں میں پریشانی لیے وہ اسے ہی تک رہا تھا۔

''سمریز!''اس کے ہونٹوں نے ہلکی سی جنبش کی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم جانتی بھی ہو کتنا خطرہ ہے یہاں۔'' وہ ہلکے غصے کے ساتھ بولا۔

''تم ٹھیک ہو؟''صلہ نے اس کی بات کو سرے سے اگنور کیا۔ وہ مدھم لہجے میں کہتی اسے چھونے لگی۔

''تم ٹھیک ہو؟ شکر ہے میرے اللہ کا تم ٹھیک ہو۔'' وہ اس کے چہرے کو پوروں سے چھوتی نم آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ پھر اس کے گرد بازو لپیٹ کر بری طرح رو دی۔ سمریز نے گہرا سانس بھرا۔ اس کا غصہ پل میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ بری طرح رو رہی تھی۔ سمریز نے اس کی کمر تھپکی، جیسے اسے پرسکون کرنے کی کوشش کی ہو۔

''میں ٹھیک ہوں۔ ریلیکس ہو جاؤ۔ سب ٹھیک ہے، تم آ گئی ہو نا تو دیکھو میں نے تمہاری امانت کی حفاظت کر لی ہے۔'' سمریز نے اسے بہلانا چاہا۔ آگ بجھ چکی تھی، ہر طرف ایک سکوت سا چھا گیا تھا اور ایسے میں آس پاس سے گزرتے اکا دکا لوگوں نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

سمریز اسے بہلا رہا تھا مگر وہ کسی ضدی بچے کی طرح اس کی گردن میں منہ چھپائے روئے چلی جا رہی تھی۔

''اچھا اب بس کرو یار، سب دیکھ رہے ہیں ہمیں۔ ترکی آ کر تو تمہاری حرکتیں مشکوک ہو گئی ہیں۔'' وہ اس کے پہلی بار خود سے گلے لگنے پر بولا۔ صلہ نے اس کی بات پر رونا چھوڑ کر سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی شرارت تھی۔

''میری حرکتیں مشکوک ہو گئی ہیں۔ اور تم نے کیا کیا میرے ساتھ؟ میری جان نکال دی تھی تم نے۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ ایسا ہی کرتے ہو۔ تم ہمیشہ مجھے یوں ہی تڑپاتے ہو۔ یوں ہی پریشان کرتے ہو۔ تم آخر یہ سب چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔'' وہ غصے سے اس کے سینے پر مکے برساتی بولی۔ سمریز پر تو اس کے مکوں کا کوئی اثر نہ ہوا مگر چہرے پر مسکراہٹ ضرور کھل گئی تھی۔ اس نے صلہ کے ہاتھوں کو تھام کر دوبارہ گردن کے گرد باندھے لیا اور پھر دھیرے سے اسے خود سے لگا یا۔

''ایم سوری! آئندہ کبھی ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آج سے یہ انتقام اپنے اختتام کو پہنچا۔ آج سے میرے لیے میری صلہ سے زیادہ اہم کچھ بھی نہیں ہو گا۔'' وہ دھیمے انداز میں اس کے کان

کے قریب بولا۔ صلہ پھر سے رونے لگی تھی مگر اب کی بار یہ آنسو خوشی کے تھے۔ سمریز زندہ تھا، اس کے سامنے تھا وہ اس وقت اپنے خدا کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

oooooooooooooooooo

کچھ دیر بعد وہ اسے لیے پرانے ہلفیتی سے نکل آیا۔ اس سے جڑا راز وہ جان گیا تھا مگر پیچھے ڈھیروں بھید اب بھی وہیں دفن تھے۔ وہ دونوں ان رازوں کو یوں ہی چھوڑ فرات کے پانی میں ایک ساتھ موجود تھے۔ کشتی آگے بڑھ رہی تھی۔ واپس نئے ہلفیتی کی جانب، جہاں آفت زدہ لوگ بچ کر پناہ لیتے تھے۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں پرانے ہلفیتی میں ہوں؟'' سمریز نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ ابھی بھی اس کے ساتھ، اس کے کندھے پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ ہاتھ بھی مضبوطی سے تھام رکھا تھا، دوبارہ کبھی نہ چھوڑنے کیلئے۔

''تم نے ہوٹل کا نام بھیجا تھا تو میں پہلے وہاں گئی۔ میں نے وہاں پتہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ تم صبح سویرے ہی نکل گئے تھے۔ میں نے تمہاری لاسٹ لوکیشن دیکھی تو وہ اس دریا کی آ رہی تھی اور یہاں آ کے پتا چلا کہ کچھ فاصلے پر بری طرح آگ لگ گئی ہے۔ میں سمجھ گئی تھی۔ مجھے

معلوم تھا تم وہیں ہوں گے۔ میں فوراً آگئی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا سمریز۔ تمہاری باتوں نے مجھے ڈرا دیا تھا۔" وہ دوبارہ جذباتی ہونے لگی تھی۔

"میں نے سنا تھا کہ لڑکیاں بہت ہی نرم دل کی ہوتی ہیں۔ تھوڑی سی جذباتی باتیں کرو تو فوراً مان جاتی ہیں۔ اور دیکھو تو ذرا تم بھی فوراً مان گئیں۔" وہ ہنستے ہوئے اسے چڑانے کے انداز میں بولا۔

صلہ نے سر اٹھا کر اسے گھورا۔

"تم مجھے پاگل بنا رہے تھے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے مجھے پریشان کرتے ہوئے۔" وہ ناراضگی سے بولی اور سر دوبارہ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"ارے نہیں یار، میں تمہیں پریشان کر سکتا ہوں کیا؟ تم تو میری تکلیفوں کا صلہ ہو۔ میری زندگی میں ملنے والا سب سے قیمتی صلہ۔" سمریز نے محبت سے کہا۔

"تم وہاں سے بچ کر کیسے نکلے؟" کچھ دیر بعد صلہ نے پوچھا۔

"تمہارا شوہر پولیس والا ہے یار، یہ چھوٹی موٹی آگ سے بچ کر نکلنا کوئی مشکل کام تو نہیں میرے لیے۔" وہ سکون سے بولا۔

سمریز نے عالمگیر کو اٹھا کر وہاں سے نکلنا چاہا۔ وہ انہیں تھامے دروازے تک ہی بڑھا تھا کہ ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی۔ وہ دونوں جھٹکے سے دور جا گرے تھے۔ اور پھر چند ہی لمحوں میں آگ کے بڑے بڑے شعلے بھڑکنے لگے۔ ہلفیتی کے اس ادھ ڈوبے شہر میں پانی کی سطح پر آگ کی لپٹیں کسی کا بھی دل دہلا دینے کو کافی تھیں۔

کمرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ سمریز کو پولیس ٹریننگ کی بدولت ایسی حالت میں خود کو کمپوز رکھنا آتا تھا۔ یہاں اس کی پہلی زمہ داری عالمگیر کو یہاں سے نکالنے کی تھی۔ اس نے سائیڈ سے میز اٹھائی اور زور سے دروازے پر دے ماری۔ آگ سے بھڑکتا دروازہ ٹوٹ کر گر گیا۔ پھر اس نے بستر سے چادر اٹھائی اور عالمگیر کے گرد لپیٹی۔ یہ چادر زیادہ نہ سہی مگر کافی حد تک انہیں آگ کے شعلوں سے بچا سکتی تھی۔ اس نے انہیں سہارا دے کر آگے لے جانا چاہا۔ گرنے کی وجہ سے ان کی ایک ٹانگ شدید درد کر رہی تھی۔ سمریز کے سہارے سے وہ باہر نکلے۔ آس پاس آگ ہی آگ تھی۔ میکال کی بنائی وہ جہنم منہ کھولے ان کی جانب لپک رہی تھی۔ وہ آگے بڑھتا کہ دو لوگوں نے اس پر وار کیا۔ عالمگیر زمین پر ہی گر گئے۔ سمریز اس اچانک وار پر لڑکھڑا گیا تھا۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ اپنے لیے نہ سہی مگر اسے عالمگیر کیلئے لڑنا ے ھا۔ وہ انہیں کسی بھی صورت اپنا ساتھ لے کا کر

رہے گا۔وہ ٹھان چکا تھا۔اور پھر چند ہی لمحوں میں وہ وہاں موجود تینوں آدمیوں کو ڈھیر کر چکا تھا۔

سمریز انہیں لیے اس دیوار کے قریب لے جانے لگا۔سامنے بے ہوش پڑے میکال پر بھی نگاہ گئی۔اپنی بنائی جہنم میں وہ ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا تھا۔سمریز نے رک کر اسے دیکھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مردہ مگر اسے اس وقت اس کی باڈی کو یہاں سے نکالنا تھا۔وہ ہوش میں ہوتا تو شاید اسے یہیں چھوڑ جاتا مگر وہ ہوش و حواس سے بیگانہ شخص کو اس بھڑکتے شعلوں کے بیچ چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا چاہے وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

اس نے جھک کر میکال کا بازو پکڑا۔ایک بازو سے عالمگیر کو تھامے دوسرے سے میکال کا بازو پکڑے وہ اسے گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جانے لگا۔وہ اسے یہاں سے نکال رہا تھا اس سے زیادہ رحم وہ نہیں دکھا سکتا تھا۔

وہ دیوار تک پہنچا۔اب مسلہ انہیں دیوار پار کروانے کا تھا۔عالمگیر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے پھر اس نے میکال کو سہارا دیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔وہ اس کے کندھے پر بے سدھ گرا ہوا تھا۔

مشکلوں سے دیوار پار کر کے وہ لوگ نکل گئے۔ پیچھے وہ تین لوگ جو اسے روکنے کیلئے کھڑے تھے انہوں نے بھی زخمی وجود کو گھسیٹتے نکلنے کی کوشش کی مگر آگ کے شعلوں نے انہیں آگھیرا۔

سمریز انہیں لیے باہر بڑھنے لگا اسی اثناء میں پولیس اور فائر بریگیڈ کے لوگ آتے دکھائی دیے۔ وہ ان کے ساتھ باہر بڑھ گیا۔ جب وہ لوگ ریسکیو والی کشتی میں موجود تھے تب ایک اڑتی اڑتی خبر اس کے کان میں پہنچی کہ ایک عورت روکنے کے باوجود اندر گھس گئی ہے۔

سمریز کے دماغ نے فوراً کام کیا۔ وہ عورت صلہ ہی ہو سکتی تھی۔ سمریز نے اسے لوکیشن بھیجی تھی۔ وہ اس تک پہنچ گئی ہو گی۔

اور پھر وہ بنا کچھ سوچے واپس اندر کی جانب بھاگا۔ دوبارہ دیواریں پھلانگتا وہ واپس اسی جہنم میں پہنچنے کیلئے بھاگ رہا تھا، اس بار وہ کسی کے کہنے پر نہیں جا رہا تھا۔ اس بار وہ اپنی عورت کو بچانے جا رہا تھا۔

وہ جب اسی جگہ پہنچا تو اسے صلہ دکھائی دی۔ وہ بالکل بے جان وجود کے ساتھ کھڑی تھی۔ اور پھر یکدم اس کے وجود کو ٹھوکر لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی سمریز نے اسے تھام گیا تھا۔

"سمریز! تم یہ جاب چھوڑ دو۔" صلہ نے بہت مان سے کہا تھا۔اور اس کی ان مان بھری نگاہوں کے سامنے وہ ہمیشہ ہی ہار جاتا تھا۔

"چھوڑ دوں گا۔" سمریز نے فوراً کہا۔

"سچ میں۔" وہ جیسے بے یقینی سے بولی تھی۔

"ہاں میں نے صرف اس انتقام کیلئے یہ جاب چنی تھی۔ میرا اصل کام تو چاچو کا بزنس سنبھالنا ہے۔ ویسے بھی پچھلے کچھ سالوں سے یہ دونوں کام ساتھ لے کر چل رہا ہوں میں بہت تھک گیا ہوں۔اب بس نائن ٹو فائیو آفس ورک کروں گا اور اس کے بعد اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزاروں گا۔" اس نے سکون سے کہا۔

فیملی کے نام پر صلہ کو کچھ یاد آیا۔اس نے سمریز کو دیکھا۔ وہ آج اتنی بڑے ٹراما سے گزرا تھا مگر پھر بھی بہت پر سکون تھا۔دل میں خیال آیا کہ کیسے؟

"تم اتنے خوش کیوں ہو؟" وہ پوچھ بیٹھی۔

"ہاں... شہر پہنچ جائیں پھر بتاتا ہوں۔" اس کے کہنے پر صلہ نے سر ہلا دیا۔اس کا دل کیا کہ وہ اسے بتا دے۔ مگر پھر خاموش رہی۔

"پہلے شہر پہنچ جائیں۔" اس نے دل میں سوچا۔ پھر نگاہ اٹھا کر سمریز کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر تھی۔ اور چہرے پر سکون کی ایک لہر۔

"سمریز؟" صلہ کی پکار پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"میکال کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا وہ جل گیا اس آگ میں۔" صلہ کو لگا شاید وہ اسی لیے خوش ہو گا۔ میکال نے قتل تو کیے ہی تھے اس نے ان دونوں کی زندگی میں غلط فہمیاں بھی ڈالنے کی کوشش کی تھیں۔ سمریز نے اس کی بات پر گہری سانس بھری۔ مگر کہا کچھ نہیں۔

"شہر پہنچ جائیں پھر بتاتا ہوں۔" وہ کافی دیر بعد ایک بار پھر وہی جملہ بولا۔ اس بار آواز مدھم تھی۔

oooooooooooooooo

کچھ دیر بعد وہ دونوں ہاسپٹل کی راہداری میں آگے بڑھتے دکھائی دیے۔ تھوڑا آگے جا کر وہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ سمریز آگے تھا اور صلہ اس کے پیچھے۔ سمریز نے اسے آگے آنے کی جگہ دی۔ وہ خاموشی سے قدم دھرتی آگے بڑھی۔ نگاہ اٹھائی تو سامنے ہی ہسپتال کے بستر پر ایک وجود لیٹا دکھائی دیا۔ ہسپتال کے کپڑوں میں، چھت کو گھورتے ہوئے۔ انہیں آتے دیکھ وہ شخص ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ سمریز نے فوراً آگے

بڑھ کر انہیں سہارا دیا تھا۔ صلہ کو دو لمحے لگے اس شخص کو پہچاننے میں اور پھر ایک لمحے کیلئے وہ ساکت رہ گئی۔ بالکل شل۔

سمریز انہیں بٹھا کر اس کی طرف آیا۔ پھر مسکرا کر اس کے چہرے کو دیکھا جو بے یقینی کے عالم میں ڈوبا تھا۔ اس نے صلہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لیے آگے بڑھا۔ صلہ بے جان قدموں کے ساتھ آگے آئی تھی۔

"چاچو یہ... صلہ ہے۔ آپ کی بہو۔" آخری جملے پر اس کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ کھلی تھی۔ عالمگیر کے چہرے پر پہلے حیرانی اتری پھر مسکراہٹ کھلی۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ! ادھر آؤ بیٹا۔" وہ تو خوشی کے مارے ٹیک چھوڑ کر اٹھ بیٹھے اور شفقت سے صلہ کو اپنے پاس بلایا۔ اس نے پہلے سمریز کو دیکھا پھر آہستہ سے قدم اٹھاتی ان تک آئی۔

"کیا نام ہے بیٹا؟" عالمگیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور محبت سے ہوچھا۔

"صلہ، صلہ شاہد۔" صلہ نے تھوڑا جھجکتے ہوئے بتایا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارا نام ہے۔" عالمگیر کو اس کا سر نیم تھوڑا کھٹکا مگر انہوں نے غور نہ کیا۔

"چاچو یہ شاہد بخاری کی بیٹی ہے۔ صلہ میری دوسری بیوی۔" اور پھر سمریز نے شروع سے آخر تک انہیں ہر بات بتائی۔ عالمگیر کا دل پسیج سا گیا۔ ان کے جانے کے بعد ان کے بھتیجے نے

جو کچھ سہا تھا وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچنا چاہتے تھے۔ مگر پھر احساس ہوا کہ یہ سب بیت چکا ہے۔ اب وہ سب ساتھ تھے، اب سب ٹھیک تھا۔

"ایم سوری انکل... بابا نے آپ سب کے ساتھ جو کچھ بھی کیا۔ میں... میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے۔ آپ پلیز بابا کو بھی معاف کر دیں۔ میں جانتی ہوں یہ مشکل ہے مگر... مگر میں جب بھی ان کے لیے گناہ کا سوچتی ہوں تو انہیں ملنے والی گناہ کی سزا سے میری روح کانپنے لگتی ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں۔

"بیٹا! حوصلہ رکھو میری بیٹی۔ میں نے معاف کیا شاہد کو۔ ہم زندہ لوگوں کیلئے تو بغض رکھتے ہیں مگر مردہ کو تو بخش دینا چاہیے۔ اس نے جو کیا سو کیا۔ مگر کہیں نا کہیں غلطی میری بھی ہے۔ مجھے جذبات میں آکر اسے انکار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں چاہتا تو معلومات نکلوا سکتا تھا۔ مگر میں اس شخص کی منافقت سے اتنا تھک چکا تھا کہ اس سے رشتہ ختم کرنا ہی بہتر سمجھا۔"

ان کی بات پر کچھ لمحے کیلئے خاموشی چھا گئی۔

"خیر مجھے یہ بتاؤ کہ میرے پوتے کو کیوں نہیں لائے تم لوگ۔" عالمگیر ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے بولے۔ سمر انہیں عالیان کے بارے میں بھی بتا چکا تھا۔

"آپ کے پورے کا ویزا نہیں بنا تھا ابھی۔اسی لیے نہیں آ سکا۔لیکن اب آپ چلیں گے نا پاکستان تو مل لیجیے گا اس سے۔" ماحول میں چھائی کثافت ڈھل گئی۔وہ لوگ اب مزید باتیں کرنے لگے تھے۔صلہ اور سمریز انہیں عالیان کی باتیں بتانے لگے۔اس کی تصویر دکھائی تو عالمگیر کی آنکھیں بھر آئیں۔یوں لگا جیسے ان کا چھوٹا سمریز دوبارہ مل گیا ہو۔

oooooooooooooooooo

ڈاکٹر مراد ہسپتال کے اس کمرے میں بیٹھے تھے۔ان کے سامنے ہی بستر پر میکال۔بے سدھ پڑا تھا۔اس کے چہرے پر موجود زخم کے نشانات کافی حد تک مندمل ہو چکے تھے۔مشینیں اور نالیاں اس کے وجود سے ہٹا دی گئی تھیں۔اسے اب ان مشینوں کی ضرورت نہ رہی تھی۔ وہ اب خود سانس لینے کے قابل تھا مگر ستم تو یہ تھا کہ سانس لینے کے باوجود وہ زندگی گزارنے کے لائق نہ بچا تھا۔اس کے سر پر چاقو سے گہرا زخم آیا تھا اور وہ کوما میں جا چکا تھا۔ڈاکٹر مراد اس کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے اسے دیکھ رہے تھے۔

میں نے تمہیں ہمیشہ روکا تھا میکال مگر۔نے کبھی میری نہیں سنی۔کاش تم میری ان لیتے۔ کاش تم کبھی اس سیاہ دنیا میں قدم ہی نہ رکھتے۔ڈاکٹر مراد اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

میکال انہیں سن سکتا تھا مگر جواب نہیں دے سکتا تھا۔اب وہ اس دنیا کو صرف سن ہی سکتا تھا۔کچھ کرنے کے قابل نہیں بچا تھا۔

مگر غلطی میری بھی ہے۔مجھے کبھی تمہیں ہپناٹزم سیکھانا ہی نہیں چاہیے تھے۔کاش میں تمہیں کبھی یہ کام نہ سیکھاتا۔ڈاکٹر کو مراد کو وہ وقت یاد آرہا تھا جب میکال ان سے ہپناٹزم سیکھنے آیا تھا۔دراصل ڈاکٹر مراد شاہنواز بخاری کے دوست تھے۔کالج کے دنوں میں شاہنواز بخاری ڈاکٹر مراد کے ساتھ ایک ہی ہاسٹل روم شیئر کرتے تھے۔ان دونوں کی دوستی وہیں سے گہری ہوگئی تھی۔شاہنواز کی شادی میں بھی ڈاکٹر مراد سب سے آگے تھے۔پھر ڈاکٹر مراد پڑھائی کے بعد اپنے شہر چلے گئے۔کافی عرصے بعد انہیں شاہنواز کا ایک خط ملا تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر مراد سے میکال کی دیکھ بھال کرنے کی گزارش کی تھی۔ڈاکٹر مراد نے اس کے بعد کافی بار ہلفیتی کا کر میکال سے رابطہ کرنا چاہا مگر وہ انہیں نہ ملا۔میکال کی والدہ نے بتایا تھا کہ وہ شہر سے باہر ہے۔اور انہی دنوں شاہد بخاری میکال تک پہنچ گئے تھے۔انہوں نے میکال کو عالمگیر کے خلاف بھڑکایا۔اس کے اندر یہ احساس پیدا کیا کہ اگر اس کا باپ اسے قبول کر لیتے تو آج وہ بھی سمریز کی طرح ان کے ساتھ ہوتا۔اسے اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کیلئے ترسنا نہ پڑتا۔اگر سمریز ایک بہترین زندگی گزار رہا ہے تو اس کا کیا قصور ہے کہ وہ یوں

بے بسی بھری زندگی گزارے۔اور پھر میکال نے ڈاکٹر مراد سے ملاقات پر خود بھی ڈاکٹر بننے کی خواہش ظاہر کی۔ڈاکٹر مراد نے اس پر پانی کی طرح پیسہ بہایا۔انہوں نے خود آج تک شادی نہ کی تھی۔ان کے تعلقات مافیا ورلڈ کے ساتھ تھے۔جب میکال نے پڑھائی مکمل کی تو اس کی خواہش پر ڈاکٹر مراد نے اسے ہپناٹزم بھی سیکھایا تھا۔اس کے بعد اسے کراچی میں سیٹل ہونے سے لے کر عروہ کے انتقام کیلئے پوری ٹیم بنانے تک ہر معاملے میں ڈاکٹر مراد نے اس کی مدد کی تھی۔وہ اسے سمجھاتے تھے، خطرناک چیزوں میں ہاتھ ڈالنے سے روکتے بھی تھے مگر وہ ان کی ایک نہیں سنتا تھا۔ڈاکٹر مراد اسے کبھی انکار نہیں کر پاتے تھے۔اور آج وہ اس حال میں پہنچا تھا تو کی ایک وجہ ڈاکٹر مراد بھی تھے۔صرف نفرت ہی انسان کو تباہی نہیں کر دیتی بعض اوقات حد سے زیادہ محبت بھی انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔آج ڈاکٹر مراد پچھتا رہے تھے۔انہیں نے محبت میں آکر جو کچھ بھی کیا وہ سب آج میکال کی تباہی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا تھا۔

oooooooooooooooooooooo

سمریز آج صبح سے ہی ہوٹل سے باہر تھا۔عالمگیر کے ویزہ کے چکر میں اسے عدالت کے چکر لگانا پڑ رہے تھے۔وہ اسی سب میں مصروف تھا کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔تین بجے کے

قریب جب وہ ہر کام سے فارغ ہوا تو ہوٹل کی جانب بڑھا۔پہلے عالمگیر کے کمرے میں گیا۔ انہیں سارے معاملات سے آگاہ کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔کمرہ بالکل خالی تھا۔صلہ اسے بتائے بغیر جاتی تو نہیں تھی۔اس لیے وہ اس کا انتظار کرنے لگا کہ شاید یہیں ہوٹل میں کہیں ہو۔جب وہ کافی دیر کے انتظار کے باوجود نہ آئی تو سمریز نے اسے کال کرنے کا سوچا۔

اس نے صلہ کو کال کرنے کی غرض سے موبائل نکالا مگر وہاں پہلے سے ہی اس کا میسج آیا ہوا تھا۔سمریز نے کھول کر دیکھا۔وہ اسے دریائے فرات کے کنارے بلا رہی تھی۔اور وہاں لکھا تھا کہ وہ اسے کچھ بتانا چاہتی ہے۔اس نے فون جیب میں رکھا اور سوچ میں گم باہر بڑھ گیا۔ ناجانے اسے کیا بات کرنی تھی۔

ooooooooooooooooo

وہ دریا کے کنارے پہنچا تو اسے وہ بیٹھی دکھائی دی۔پانی سے کچھ فاصلے پر وہ ایک بینچ پر بیٹھی تھی۔اس نے سر پر سیاہ رنگ کا حجاب لیا ہوا تھا ساتھ ہی سیاہ رنگ کا لانگ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔دوسری طرف وہ خود سرمئی رنگ کے اوور کوٹ میں ملبوس تھا۔اسے بیٹھے دیکھ وہ

Clubb of Quality Content

مسکراتے ہوئے اس کے قریب پہنچا۔ پھر خاموشی سے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔ صلہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا دی۔

"تم جلدی آ گئے۔" وہ فوراً بولی۔

"تمہارا میسج دیکھتے ہی نکل گیا تھا۔ مگر تم یہاں اکیلی کیوں آ گئیں۔ اگر تمہارا یہاں آنے کا دل تھا تو مجھے پہلے بتا دیتیں، ہم ساتھ آ جاتے۔" سمریز کی بات پر اس کی مسکراہٹ کچھ گہری ہوئی۔

"تم جانتے ہو نا ہمارے رشتے میں وہ میں ہوں جو ہمیشہ تمہارے پیچھے آتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ آج تم میرے پیچھے آؤ۔" اس کی بات پر سمریز اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر سر جھکا کر بولا۔

"مگر پچھلے کچھ دنوں سے تو میں تمہارے پیچھے آ رہا تھا لیکن تم مان ہی نہیں رہی تھیں۔" وہ بیچارگی سی شکل بنائے بولا۔ صلہ اسے دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، یہاں تک کہ سمریز کو خود نگاہ اٹھا کر دیکھنا پڑا۔

"مگر جتنا پیچھا میں نے تمہارا کیا ہے نا تم چاہ کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے تمہارے پیچھے خود کو مار کر نیا جنم لیا ہے۔ تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" وہ آنکھوں میں کچھ جتا کر بولی تھی۔

"میں تمہارا مقابلہ کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم نے تو مجھے ایک گھر دیا ہے۔ میری زندگی میں سکون کی بنیاد تم سے ہے۔ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔" وہ اسے تکتے ہوئے بولا تھا۔ شہد رنگ نگاہوں میں ڈھیروں جذبات ہلکورے کھا رہے تھے۔

"اور ویسے بھی تم تو میری آزمائشوں کا صلہ ہو۔ تمہارا مقابلہ کوئی چاہ کر بھی نہیں کر سکتا۔"

اس کی بات پر صلہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ پھر نگاہ ہٹا کر دریا میں بنتی لہروں کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہم وہاں چلیں؟" کچھ لمحوں بعد صلہ نے پانی کے قریب جانے کا کہا۔ سمریز سر ہلاتا کھڑا ہوا۔

"کیا میں کبھی انکار کر سکتا ہوں؟" اس نے کہتے ہوئے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔

صلہ نے مسکراتے ہوئے وہ ہاتھ تھاما اور اس کے ساتھ آگے چل دی۔ آج پورے ہلفیتی پر سنہری دھوپ نکلی تھی۔ جیسے ایک نئے خوبصورت دن کا آغاز ہوا ہو۔ اس نرم گرم سی دھوپ میں آج ہر جگہ سکون کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ ایسا ہی سکون ان کے دلوں میں بھی اتار دیا گیا تھا۔ آزمائشوں کے بعد انہیں ایک دوسرے کے ساتھ کی صورت صلہ دیا گیا تھا۔

کنارے پر کھڑے ہو کر وہ بہتے پانی کو دیکھنے لگے۔ وہ مزید آگے نہیں جا سکتے تھے مگر وہ نظارہ یہاں سے بھی بہت خوبصورت دکھتا تھا۔

ان کے سامنے ڈوبتا سورج تھا۔ دریا کی سطح پر بکھرتی سنہری و نارنجی کرنیں، پورے آسمان پر بکھرے گلابی رنگ اور اس منظر میں کھڑے وہ دونوں ایک ساتھ بہت مکمل لگ رہے تھے۔

''سنو!'' سمریز نے اسے پکارا۔ صلہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔

''ہاں!'' وہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا تھا۔'' سمریز نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا کہنا تھا تمہیں؟'' سمریز نے خاموشی سے اوور کوٹ کی اندرونی جیب سے کچھ نکالا تھا۔ وہ ایک سیاہ گلاب تھا۔ لمبی سی ٹہنی والا، پورا کھلا خوبصورت، سیاہ گلاب۔ اس سیاہ گلاب کو دیکھ صلہ کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''میں تم سے ایک عہد کرنا چاہتا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ پھر دو قدم آگے بڑھا۔ صلہ کچھ بے چین ہوئی تھی۔ وہ سیاہ گلاب کیوں دے رہا تھا۔ یہ گلاب تو موت کی علامت تھا، برائی کی علامت تھا۔ وہ اسے کیوں دے رہا تھا۔

”میں تم سے وفا کا عہد کرتا ہوں صلہ! تم میری ہمسفر ہو اور ہماری آخری سانس تک تمہارے ساتھ وفا نبھاؤں گا۔“ اس نے وہ سیاہ گلاب اس کی جانب بڑھایا۔ صلہ اس کے الفاظ میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے گلاب بڑھانے پر تھوڑی ہچکچائی۔ وہ یہ گلاب تھامنا چاہتی تھی مگر یہ گلاب اس کیلئے ہمیشہ بدثابت ہوا تھا اسی لیے ہچکچا رہی تھی۔

اس نے نگاہ اٹھا کر سمریز کو دیکھا وہ آنکھ کے اشارے سے اسے لینے کا کہہ رہا تھا۔ صلہ نے ہچکچاتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے پورے وجود میں کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ مگر وہ اس کیلئے اپنے اس ڈر کو بھی بھلا سکتی تھی۔ صلہ نے وہ پھول تھاما اور ہاتھ پیچھے کرنا چاہا مگر سمریز اس کا ہاتھ تھام چکا تھا۔ اسی کے ساتھ دو قدم مزید آگے آیا۔ وہ دونوں عین ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے۔

”جانتی ہو دنیا میں ہر چیز کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک سیاہ اور ایک سفید۔ ہم جس شخص کا جو رخ دیکھنا چاہتے ہیں ہمیں وہی رخ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح اس سیاہ گلاب کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک رخ جو موت کی علامت ہے اور ایک رخ کو حیات ہے۔

ایک رخ جو حسد کی علامت ہے اور ایک رخ جو سراہنے کی نشانی ہے۔

Clubb of Quality Content

ویسے ہی ایک رخ نفرت کا حامل ہے تو دوسرا رخ وفاداری کی علامت ہے۔ صلہ کسی چیز کے ہونے نا ہونے سے ہماری قسمت کے فیصلے نہیں لکھے جاتے۔ یہ تو ہم انسان ہیں جو چیزوں کی بنیاد پر الگ منطق گھڑ لیتے ہیں۔ یہ پھول مختلف علامات کے طور پر تور کھا جا سکتا ہے۔ مگر اس پھول کے دم سے غلط ہونے کا تصور ہمیں اپنے ذہن سے خارج کرنا ہوگا۔ یہ پھول تو بے حد خوبصورت ہے۔ اس کا سیاہ رنگ برائی کی نہیں ہمارے رشتے کی گہرائی کی علامت بنے گا۔ ایسا رنگ جس میں کبھی کوئی دوسرا رنگ اپنا اثر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تمہارا وفادار رہوں گا۔'' سمریز کی باتوں پر صلہ کی آنکھیں نم سی ہو گئی تھیں۔ صلہ اب وہ پھول ناک کے قریب لے جا کر سونگھ رہی تھی۔ پھر نم آنکھیں اٹھا کر سمریز کو دیکھنے لگی۔ سیاہ حالے میں لپٹا اس کا چہرہ نور بکھیر رہا تھا۔

''مجھے بھی تمہیں کچھ بتانا ہے سمریز۔'' وہ ہونٹ کاٹتی دھیمی آواز میں بولی تھی۔ سمریز نے ایک بار پھر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''کیا بتانا ہے؟'' وہ اس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس کرتے بولا۔ یہ سردی تھی یا اس سیاہ گلاب کو پکڑنے کا خوف کے اس کے ہاتھ سرد پڑ رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”سمریز ہمارے گھر عالیان کے ساتھ کھیلنے والا ایک ننھا مہمان آنے والا ہے۔“ صلہ نے اسے بغور دیکھتے کہا۔ وہ اب بھی سر جھکائے اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

”اچھا، کون ہے وہ؟“ سمریز نے بے دھیانی میں سوال کیا۔ صلہ نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا۔ ”کیا وہ سمجھا نہیں تھا؟ یا شاید وہ ٹھیک سے سن نہیں رہا تھا؟“ اس نے ایک لمحے کیلئے سوچا۔ پھر گہری سانس بھرتی دوبارہ الفاظ مجتمع کرنے لگی۔

”میرے خیال سے عالیان کا کوئی بھائی، یا بہن بھی ہو سکتی ہے۔“ صلہ اس بار سوچنے کے انداز میں بولی۔ سمریز نے پہلے تو سر ہلا دیا پھر ایک سیکنڈ کیلئے اس کا وجود ساکت ہوا تھا، جیسے سانس بھی روک لی ہو۔ پھر نگاہ اٹھا کر صلہ کو دیکھا۔ ان نگاہوں میں بہت کچھ تھا۔ حیرانی، بے یقینی، خوشی اور ایک الوہی سی چمک۔ اور ساتھ ہی ایک سوال بھی۔ جیسے پوچھ رہا ہوں، 'کیا واقعی؟' صلہ نے وہ سوال جانتے ہی فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ سمریز کچھ لمحے بالکل ساکت وجود کے ساتھ آنکھوں میں الوہی سی چمک لیے اسے دیکھے گیا۔ پھر اس کے وجود نے حرکت کی اور اگلے ہی لمحے اس نے آگے بڑھ کر صلہ کو گلے لگا لیا۔ نم آنکھوں کے ساتھ، مظبوطی سے تھامے وہ نا جانے کتنی دیر عجیب سی خوشی میں سرشار کھڑا رہا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہتا تھا، وہ واقعی اس کی آزمائشوں کا صلہ تھی۔ سمریز نے نا جانے کتنے سالوں بعد اپنے اندر سکون

محسوس کیا تھا۔ صرف اور صرف سکون۔ ناجانے کتنے سالوں سے موجود بوجھ اس کے کندھوں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ کتنے سالوں کی آزمائش کے بعد ایک بار پھر اس کی جھولی خوشیوں سے بھر دی گئی تھی۔ وہ اپنے رب کا جتنا شکر گزار ہوتا اتنا کم تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں وہیں دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ آسمان پر روشنی کی آخری لکیر بھی کہیں گم ہو چکی تھی۔ مگر ان کی زندگی میں روشنیاں بکھیر دی گئی تھیں۔ اسی روشنی سے بھرے چہروں کے ساتھ وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے باتوں میں مصروف تھے۔

"ویسے کسی نے کہا تھا کہ کوئی میرے دل میں جگہ بنانے کے بعد ہی مجھے دوبارہ آپ کہہ کر پکارے گا۔ مگر شاید کوئی بھول گیا ہے۔" سمریز نے یوں ہی باتوں کے درمیان اسے یاد دلایا۔ وہ اس سے عمر میں پانچ چھے سال بڑا تھا مگر وہ ہمیشہ اسے تم کہہ کر یوں پکارتی تھی جیسے اس کا ہم عمر ہو۔

"اور کسی نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں اس کام میں کامیاب ٹھہری تو وہ شخص میری بھی ایک بات مانے گا۔ مگر شاید کوئی یہ بات بھول گیا ہے۔" وہ بھی فوراً اسی کے انداز میں بولی۔ سمریز ہنس دیا پھر وہیں ٹھہر گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''آپ صرف ایک بات ماننے کا کہہ رہی ہیں۔ میں نے تو اپنا آپ ہی آپ کے حوالے کر دیا ہے میڈم۔ جو جی میں آئے منوائیں، میں کون ہوتا ہوں روکنے والا۔'' صلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک ابھری۔

''تو ٹھیک ہے پھر، گھر جا کر ہم وہاں لاؤنج کی دیوار پر لگی تصویر اتار کر اپنی فیملی فوٹو لگائیں گے۔'' سمریز کی مسکراہٹ کچھ مدھم پڑی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لاؤنج میں لگی اس کی اور ثناء کی تصویر کی بات کر رہی تھی۔ سمریز کی مدھم پڑتی مسکراہٹ صلہ نے باخوبی نوٹ کی تھی۔ اس کی اپنی مسکراہٹ بھی پھیکی سی ہو گئی۔

سمریز نے اپنے دل کی گہرائیوں میں جا کر وہ احساس تلاشنا چاہا جو ہمیشہ صلہ کی اس بات پر ہوتا تھا۔ مگر آج وہ احساس کہیں محسوس نہ ہوا۔ آج اس کا دل ثناء کے نام پر خالی محسوس ہوا تھا۔ مگر ہاں صلہ کے اس ماند پڑتے چہرے کو دیکھ اس کا دل ضرور دُکھا تھا۔ شاید زندگی میں محبت سے بڑھ کر آزمائش میں ساتھ نبھانے والا دل کے اونچے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ انسان سکون محسوس کرتا ہے۔

''بندہ بشر آپ ہی کا تو ہے۔ آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی ہو گا میڈم۔'' وہ چہرے پر مسکراہٹ لیے بولا۔ صلہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی اور چہرے پر دوبارہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''لیکن اب ہم وہاں نہیں رہیں گے۔ پاکستان جا کر ہم لوگ دوبارہ بخاری ہاؤس شفٹ ہو جائیں گے۔ پہلے وہاں چاچو کی یادیں رہنے نہیں دیتی تھیں مگر اب چاچو کے وجود سے وہ گھر ایک بار پھر روشن ہو جائے گا۔'' وہ دونوں دوبارہ آگے چلنے لگے تھے۔ ٹھنڈ کی وجہ سے ان کی ناک اور گال لال ہو رہے تھے۔ چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی۔

oooooooooooooooooo

سمریز بیڈ پر بیٹھا تھا اور سامنے لگی ایل سی ڈی پر کوئی فٹ بال میچ دیکھنے میں مصروف تھا۔ صلہ سامنے پڑی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔ ہاتھوں پر لوشن لگاتی ہوئی۔ کھڑکی کے باہر رات اتر رہی تھی۔

وہ بار بار نظر اٹھا کر سمریز کو دیکھتی پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار سمریز کو اتنی تسلی سے بیٹھے دیکھا تھا۔

''سمریز! وہ... تم سوچ تو رہے ہوں گے کہ کاش جیسے عالمگیر انکل واپس مل گئے ہیں ویسے ہی ثناء بھی...'' سمریز نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ صلہ کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

''کیا مطلب؟'' وہ بے یقینی سے بولا۔

"مطلب وہ تمہاری محبت ہے تم چاہتے تو ہوں گے کہ کاش وہ واپس آ جاتی۔" صلہ بنا اسے دیکھے ہاتھوں پر لوشن ملتی بولی۔ سمریز اسے دیکھتا رہ گیا۔ آخر کیا کھچڑی پک رہی تھی اس کے دماغ میں؟

"وہ میری محبت تھی مگر تم میری زندگی ہو صلہ۔ زندگی سے بڑھ کر ایک انسان کیلئے کچھ ضروری نہیں ہوتا۔ محبت کا کیا ہے آج ہوتی کل بچھڑ جاتی ہے۔ مگر زندگی ہے تو سب ہے۔" وہ چلتا ہوا اس کی جانب آیا۔

صلہ کے دل کو ڈھارس سی پہنچی۔ سمریز کو لے کر وہ ساری زندگی یوں ہی پوزیزیو رہنے والی تھی۔ وہ جانتا تھا اور تیار بھی تھا۔

"جانتے ہو جب میں نے عالمگیر انکل کو دیکھا تو ایک لمحے کیلئے میرا دل بند ہونے کو تھا۔ مجھے لگا ان کی طرح ثناء بھی واپس آ گئی ہو گی۔ مجھے لگا کہ شاید تم اسی لیے اتنے خوش ہو۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔ میں سچ میں بہت ڈر گئی تھی۔" وہ شیشے میں اس کا عکس دیکھتے کہنے لگی۔ سمریز مسکرا دیا۔ پھر ذرا سا جھک کر اس کے قریب ہوا۔

اتنا تو کوئی زندہ انسان سے نہیں ڈرتا ہوگا جتنا تم میری مرحومہ بیوی سے ڈرتی ہو۔اب اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔وہ اب کہیں نہیں ہے، نا یہاں نا یہاں۔"اس نے پہلے ہوا میں پھر اپنے دل پر اشارہ کرتے کہا۔صلہ مسکرا دی۔

وہ تھوڑا مزید جھکا اور اپنی تھوڑی اس کے سر پر ٹکا دی۔

"تم میری آزمائشوں کا صلہ ہو۔میری زندگی تمہارے دم سے ہے۔"وہ محبت سے بولا۔صلہ مسکراہٹ لیے چہرے کے ساتھ کچھ کہنے لگی تھی کہ یکدم ہی ان کے کمرے کا دروازہ بجا۔

سمریز نے جاکر دروازہ کھولا تو سامنے موجود لوگوں کو دیکھ وہ چونکا۔

"سرپرائز!"یہ تابش کی آواز تھی۔ساتھ مریم بھی تھی۔

"تم دونوں یہاں؟"وہ آگے بڑھ کر تابش سے گلے ملا۔اتنے میں صلہ بھی آگئی۔

"ہم نے سوچا کہ اگر آپ دونوں شادی کے تین سال بعد ہنی مون کیلئے ترکی آسکتے ہیں تو ہماری شادی کو تو صرف دو مہینے ہی ہوئے ہیں۔ہم بھی آگئے۔"وہ گرمجوشی سے گلے ملتے بولا۔

"مریم!"صلہ خوشی سے اس کی جانب لپکی۔

"کیسی ہو اور عالیان کیسا ہے؟"صلہ اس سے گلے ملتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں اور عالیان بھی بالکل ٹھیک ہے۔ تم بتاؤ کیسی ہو؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم آؤ بیٹھو۔'' وہ اسے لیے صوفے کی جانب بڑھی۔ اور اسی کے ساتھ وہ لوگ آپس کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دیر بعد صلہ کا فون بجا۔ اس نے فون اٹھا کر دیکھا تو وہاں میرب کالنگ لکھا آرہا تھا۔

''ہاں میرب؟ کیسی ہو؟'' صلہ نے فون اٹھاتے ہی پوچھا۔

''ماما میں آپ کا عالی ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ صلہ اس کی آواز سن کر مسکرا دی۔

''عالی! کیسا ہے میرا بیٹا؟'' وہ چہک کر بولی۔

''میں ٹھیک ہوں پر تھوڑا اداس ہوں۔'' عالیان نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''ارے میرا بیٹا اداس کیوں ہے؟'' صلہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ سمریز اور باقی سب بھی اسے دیکھنے لگے تھے۔

''مجھے آپ کی اور بابا کی یاد آرہی ہے۔'' عالیان کی بات پر صلہ کے چہرے پر اداسی بکھری۔ سمریز نے اسے ویڈیو کال کرنے کا اشارہ کیا تو صلہ نے گردن ہلا دی۔

"رکو عالی میں آپ کو ویڈیو کال کرتی ہوں ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کال کاٹی پھر ویڈیو کال ملائی۔ ساتھ ہی سامنے پڑی ٹیبل پر فون کو ایڈجسٹ کر کے رکھا۔ تاکہ وہ سب اس سے بات کر سکیں۔ دوسری طرف سے کال اٹھائی گئی۔ موبائل کی سکرین پر عالیان کی تصویر ابھری، ساتھ ہی میرب بھی بیٹھی تھی۔

"بابا مجھے آپ لوگوں کی یاد آ رہی ہے۔ آپ لوگ کب آئیں گے؟" وہ فون کی سکرین پر سمریز کو دیکھتے ہی اس سے مخاطب ہوا۔

"ارے میری جان ہم بس اگلے ہفتے ہی آ جائیں گے۔ کیوں پریشان ہوتے ہو آپ۔ میرب آپی ہیں نا آپ کے ساتھ۔" سمریز نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔ مگر وہ منہ بسور گیا۔

"میرب آنٹی تو ہیں مگر آپ لوگ بھی یاد آ رہے ہیں۔"

"ارے عالی! آنٹی نہیں بیٹا آپی بولو۔ کچھ سال ہی تو بڑی ہوں بس۔" میرب نے ایک بار پھر اپنا پرانا جملہ ادا کیا۔

"جی آنٹی۔" عالیان بھی فرمانبرداری سے سر ہلا گیا۔ وہ دونوں انہیں دیکھ ہنس دیے۔

''اچھا بس اب زیادہ مت ہنسو اور یہ بتاؤ کہ آخر واپس کب آ رہے ہو۔ مجھے اور میرے عالیان کو یہاں چھوڑ کر تم چاروں وہاں ہنی مون مناتے پھر رہے ہو۔'' میرب انگلی دکھاتے غصے سے بولی۔

''شرم کرو میرب۔ ہم وہاں زندگی اور موت سے لڑنے گئے تھے اور تم کیا کیا بولے جا رہی ہو۔'' صلہ نے فوراً جواب دیا۔ سمریز ہنس دیا البتہ مریم اور تابش سر کھجاتے ایک جانب کو ہو گئے۔

''تم دونوں کا تو ٹھیک ہے مگر یہ پیچھے سے جو پیچھے کھسک رہے ہیں، یہ دونوں تو نادرن کا کہہ کر سیدھا ترکی کے ٹوُر پر نکل گئے۔ ان دونوں کو تو میں بالکل نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ گردن اٹھائے کیمرے میں پیچھے کو جھانکتے بولی۔

''میرب اس وقت تم ایک بڑی ہی کھڑوس نند لگ رہی ہو۔ ذرا اپنے بھائی بھابھی کو گھوم پھر لینے دو۔ شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں ان کے۔'' صلہ نے ان دونوں شرمیلے انسانوں کی سفارش کی۔ میرب منہ بسورتی رہ گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے لیکن جب تم لوگ واپس آؤ گے نا تم ہم سب میچ دیکھنے چلیں گے۔ یار سندھ نائٹ رائیڈرز کا میچ ہے پنجاب فائٹر کنگ کے ساتھ۔ میں نے ٹکٹس بھی لے لی ہیں۔ ہم

سب چلیں گے پلیز! پلیز! پلیز!" وہ دونوں ہاتھ جوڑتی آنکھیں بند کر کے پورے ڈرامائی انداز میں بولی۔ وہ سب اس کے انداز پر ہنس دیے۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے اب یہ نوٹنکی بند کرو۔ ہم واپس آجائیں تو چلیں گے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر مزید باتیں چلتی رہیں۔ زندگی ایک نئے سفر پر چل پڑی تھی۔

oooooooooooooooo

وہ ہسپتال کے کپڑوں میں ملبوس ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سمریز خاموشی سے قدم بڑھاتا آگے آیا۔ عین بیچ و بیچ ایک بستر پر وہ لیٹا تھا۔ نالیاں اس کے وجود سے ہٹادی گئی تھیں اب وہ ہسپتال کے یونیفارم میں بے سدھ پڑا تھا۔ ایک جانب رکھی میز پر اس کی چلتی سانسیں لکیروں کی صورت دکھائی دے رہی تھیں۔

سمریز آگے آیا اور عین اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سامنے لیٹا شخص اسے محسوس کر سکتا تھا مگر بے بس پڑا تھا۔ سمریز کچھ لمحے کھڑا اس کے بے بس وجود کو دیکھتا رہا۔

"ایک وقت تھا جب میں بے بس ہوتا تھا۔ سوائے تمہاری انگلیوں پر ناچنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے تمہارے اشاروں پر چلنے کے کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر آج دیکھو۔ ظلم کو

ہمیشہ زوال ہوتا ہے۔ تم نے ظلم کیا اور اب تم بے بس ہو۔" اس نے گلٹی نگلی۔ دل پر لگے پرانے زخموں میں تکلیف اٹھی تھی مگر اس بار اثر پہلے جیسا نہ تھا۔

"تمہیں لگتا تھا کہ تم مظلوم ہو۔ صرف اپنے ساتھ ہوئی ناانصافی کا بدلہ لے رہے ہو۔ تو میں تمہیں بتاؤں کہ تم ناانصافی کا بدلہ نہیں لے رہے تھے۔ تم صرف اپنے نفس کی تسکین کیلئے دوسروں کو تکلیف دے رہے تھے۔ تم تو انصاف کے الف سے بھی واقف نہیں ہو میکال شاہنواز۔ تم صرف مظلومیت کا ڈھونگ رچانے میں ماہر تھے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے بستر کی جانب جھکا۔

"جانتے ہو ہم دونوں بالکل ایک جیسے ہیں۔ میں تمہارا عکس اور تم میری پرچھائی تھے میکال۔ ہمارے صرف نقوش ہی نہیں ملتے ہماری زندگیاں بھی ایک دوسرے سے میل کھاتی ہیں۔ ہم نے تنہا سروائیو کیا ہے۔ ہم نے اپنے پیاروں کو کھویا ہے۔ ہم نے تکلیف سہی ہے مگر فرق پتا ہے کیا ہے؟" وہ دو لمحے کو رکا پھر سختی سے بولا۔

"تم نے اپنی تکلیف میں دوسرے کو بھی وہی اذیت پہنچانے کا فیصلہ کیا۔ تم نے خود کو ہیل کرنے کی بجائے برائی کے راستے کو چنا۔ مگر میں نے ہر بار خود کو برائی کے راستے سے بچا کر انصاف کے ساتھ بدلا لینا چاہا۔ تم نے بدلہ لینا تھا تو صرف اس شخص سے لیتے جس نے

تمہاری زندگی برباد کی تھی مگر تم نے مجھے قصوروار ٹھہرایا۔ صرف جلن اور حسد کے مارے۔ تم نے اپنے اندر لگی اس آگ میں سب کو جلا کرر کھ دیا۔ مگر میری حفاظت میری خودداری اور میرے سیدھے راستے نے کی اور دیکھو آج مجھے جلانے کیلئے لگائی آگ میں تم خود بے بس ہو کررہ گئے۔ میں چاہتا تو تمہیں ابھی مار دیتا یا تمہیں وہیں اسی آگ میں جلنے دیتا۔ مگر یو نو واٹ۔ یہ زندگی زیادہ مشکل ہے۔ نہ تم مردوں میں رہے نا ہی زندوں میں۔ نہ تو تم زندگی جی سکتے ہو اور نہ مرنے کی کوشش کر سکتے ہو۔ تم یوں ہی دنیا اور برزخ کے بیچ لٹکتے رہو گے۔ یہ تمہاری سزا ہے۔ یہ سزا تب تک رہے گی جب تک تمہارے دل سے ہر برائی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اور تمہارے دل سے برائی کا خاتمہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ غصے سے بولتا وہاں سے نکل گیا۔ آج اس کا یہاں ہلفیتی میں آخری دن تھا۔ انہیں آج ہی یہاں سے نکلنا تھا، واپس پاکستان کیلئے۔

oooooooooooooooo

تابش اور مریم کے ہلفیتی آنے کے ایک ہفتے بعد وہ لوگ ایک ساتھ واپس پاکستان آ گئے تھے۔ بخاری ہاؤس دوبارہ آباد ہو گیا تھا۔ عالمگیر بخاری اپنے دیس، اپنے گھر آکر ایک بار پھر جی اٹھے تھے۔ عالیان کی عالمگیر سے بے حد دوستی ہو گئی تھی۔ اور عالمگیر کیلئے تو وہ ان کا چھوٹا سمریز تھا۔ اسی کے جیسی باتیں کرتا اور اسی کی طرح ان سے لاڈ اٹھواتا تھا۔

دوسری طرف صلہ نے اپنے کیفے کے اوپری منزل پر بھی کام شروع کروادیا تھا۔اس کا کیفے مزید ترقی کرنے لگا تھا۔ سمریز نے بھی پولیس کی جاب چھوڑدی تھی۔وہ اب عالمگیر کا بزنس سنبھالنے لگا تھا۔اس نے بزنس کی پڑھائی کی تھی اور بچپن سے یہی کرنے کا خواب دیکھا تھا، اب زندگی نے اسے اپنے خواب پورے کرنے کی مہلت دے دی تھی۔

دوسری طرف مریم کی زندگی میں بھی ایک ٹھہراؤ آگیا تھا۔اسے ایک گھر مل گیا تھا،پیار کرنے والے رشتے مل گئے تھے اور ایک احترام کرنے والا شوہر بھی۔

سمریز نے جاب چھوڑنے سے پہلے پولیس آئی جی سے اپنی جگہ تابش کو ڈی ایس پی بنانے کی درخواست کی تھی۔جب اس کا تھانے میں آخری دن تھا تو تابش اس کے پاس آیا۔

"سر یہ؟"اس کے ہاتھ میں ایک لیٹر تھا۔سمریز جو اپنا سامان سمیٹ رہا تھا اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیا ہوا؟"

"سر یہ لیٹر...اس میں لکھا ہے کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کا کوئی ٹیسٹ ہونے والا ہے۔اور اس میں میرا بھی نام ہے۔لیکن میں نے تو کوئی نامزدگی نہیں بھیجی تھی۔"وہ متعجب تھا۔

''ہاں تمہارا نام میں نے نامزد کروایا ہے۔میں چاہتا ہوں کہ تم بھی یہ ٹیسٹ دو۔''اس کی بات پر تابش کچھ الجھا۔

''لیکن سر میں کیسے یہ ٹیسٹ دے سکتا ہوں۔میری تو ابھی سروس بھی اتنی نہیں ہے۔اور اس میں میرے سے زیادہ کمپیٹیٹیو لوگ ہوں گے۔''سمریز اس کی بات پر ہلکا سا ہنسا۔ساتھ نفی میں گردن ہلائی۔

''ہاں ٹھیک ہے تمہاری سروس اتنی نہیں ہے مگر میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم سے زیادہ کمپیٹیٹیو ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ان لوگوں کی سروس چاہے زیادہ ہی کیوں نا ہو مگر اپنے کام سے وفاداری تم میں زیادہ ہے۔یہ لوگ صرف پیسے کیلئے کام کرتے ہیں مگر تم انصاف کیلئے کام کرتے ہو۔اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ ٹیسٹ پاس کرو اور میرے جانے کے بعد اس تھانے کو انصاف کا علمبردار بناؤ۔میں نہیں چاہتا کہ اس تھانے میں دوبارہ کوئی سمریز بخاری آئے اور انصاف کی تلاش میں سالوں بھٹکتا پھرے۔میں نہیں چاہتا کہ کسی اور سمریز بخاری کی زندگی بھی یوں ہی تباہ ہو جائے۔''اس کی مسکراہٹ میں تلخی سی تھی۔اس کی بات پر تابش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ایسا ہی ہو گا۔''وہ یقین سے بولا تھا۔

''ایسا ہی ہو گا سر۔اس تھانے سے دوبارہ کبھی کوئی سمریز بخاری یا تابش کمال خالی ہاتھ نہیں لوٹے گا۔انصاف سب کو برابر دیا جائے گا۔''اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب وہ اپنے حق کیلئے کتنے ہی تھانے کچہریوں میں گیا تھا۔ مگر اسے کبھی انصاف نہ ملا تھا۔اس کے تایا نے ان کی جس جائیداد پر قبضہ کرر کھا تھا وہ آج تک ان پر قابض تھے۔شاید یہ سفر اسے اپنے حق سے دو چار کروادے۔اس کے دل میں امید جاگی۔ہاں وہ یہ ٹیسٹ لازمی دے گا۔وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

oooooooooooooooooo

وہ لوگ اس وقت کرکٹ سٹیڈیم میں موجود تھے۔پورا سٹیڈیم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔میدان میں دو ٹیمیں اتری ہوئی تھیں۔لوگوں کا ایک بھرپور شور ہر جانب گونج رہا تھا۔ اپنی اپنی ٹیموں کی شرٹ پہنے ہر ایک فرد پورے جوش سے میچ دیکھ رہا تھا۔انہی لوگوں میں وہ بھی موجود تھے۔صلہ اور سمریز ایک جانب بیٹھے تھے،عالیان ان کے بیچ بیٹھا ہوا تھا۔مریم اور تابش دوسری جانب بیٹھے تھے اور ان سب کے بیچ میرب موجود تھی۔ان سب میں وہی تھی جو سب سے زیادہ جوش کے ساتھ میچ دیکھ رہی تھی اور گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی ٹیم کو سپورٹ کر رہی تھی۔

میچ کے آخری پانچ اوورز باقی تھے کہ تبھی پورے سٹیڈیم میں ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی۔اور پوری زمین ہل کر رہ گئی یوں جیسے کوئی زلزلہ آیا ہو۔اور اسی کے ساتھ پورے سٹیڈیم میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔لوگوں کی جوش سے گونجتی آوازیں چیخنے چلانے میں تبدیل ہو گئیں۔سب لوگ یہاں سے وہاں بھاگنے لگے تھے۔کچھ زخمی ہو کر زمین پر گر گئے تو کچھ بھاگ نکلنے کے چکر میں مزید زخمی ہو رہے تھے۔سیکیورٹی فوراً حرکت میں آئی۔دونوں ٹیموں کو وہاں سے نکالا جانے لگا۔لوگوں کو پر سکون کر کے نکالنے کی کوشش کی جانے لگی۔

مگر ہر جگہ بھڑکتی آگ کو دیکھ ہر کوئی اپنی جان بچانے کیلئے یہاں سے وہاں دوڑ رہا تھا۔ایسے میں وہ لوگ بھی وہاں سے بچ نکلے تھے۔سمریز عالیان کو گود میں اٹھائے ایک ہاتھ سے صلہ کا ہاتھ تھامے انہیں وہاں سے باہر نکال لایا تھا۔انہیں ایک سیف جگہ کھڑا کر کے وہ دوبارہ اندر کی جانب بھاگا۔تابش، مریم اور میرب ابھی بھی اندر تھے۔

دوسری طرف تابش بھی ان دونوں کا ہاتھ پکڑے باہر کی جانب بڑھا تھا مگر بیچ راستے میں ہی ان کا اِدھر اُدھر بھاگتے لوگوں سے ٹکراؤ ہوا۔ان تینوں کے ہاتھ چھوٹ گئے تھے۔ڈھیروں لوگوں کے ہجوم میں وہ تینوں کھو گئے تھے۔

"مریم، میرب!" تابش نے انہیں اس بھیڑ میں ڈھونڈنا چاہا۔ وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے، بند ہوتے دل کے ساتھ چاروں جانب نظریں گھمارہا تھا۔ مگر وہ دونوں کہیں نا دکھیں۔ وہ بھاگ کر ایک طرف کو بھاگا اور انہیں آوازیں دیتے پکارنے لگا۔

"تابش!" وہ کچھ آگے گیا تو مریم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اس سے بیس قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ تابش اس کی جانب دوڑا تھا۔ دوسری طرف مریم بھی اس کی جانب بڑھی۔ پیچھے سے دوڑتے ہوئے آتے ایک شخص نے مریم کو دھکہ دیا۔ وہ بری طرح زمین پر گری۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر پیچھے سے آتی بھیڑ کے باعث وہ کھڑی نہ ہو سکی۔ تابش اس بھیڑ سے ہوتا اس تک پہنچا۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں چھپائے اپنی حفاظت کر رہی تھی۔ تابش نے فوراً سے آگے بڑھ کر اس کے گرد حصار قائم کیا۔ لوگوں کے بھاگتے قدموں سے اس کے وجود کو بری طرح ٹھوکر لگ رہی تھی مگر وہ بنا ہلے ویسے ہی بیٹھا رہا، اس کے گرد حصار بنائے۔ لوگوں کی وہ بھیڑ ختم ہوئی تو اس نے مریم کو اٹھایا۔ گرنے کے باعث اس کے ماتھے سے خون رسنے لگا تھا۔ وہ فوراً تابش کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

تابش اسے لیے باہر کی جانب بڑھا۔اس کی نظریں اب بھی میرب کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔اس رخ میں،اتنے لوگوں کے بیچ وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔تابش کا دل عجیب خوف میں گھرا ہوا تھا۔وہ اپنے وجود کو گھسیٹتا باہر بڑھا۔راستے میں ہی اسے سمریز دکھائی دیا۔

”سر، سر وہ میرب۔میرب کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔مجھے سمجھ نہیں آرہا میں اسے کہاں ڈھونڈوں۔“سمریز کو دیکھتے ہی وہ فوراً کہنے لگا۔

”تابش تم پریشان مت ہوں۔میرب مل جائے گی۔یہاں اتنی سیکیورٹی ہے وہ مل جائے گی۔“سمریز نے اسے تسلی دی۔تابش نے اثبات میں سر ہلایا ساتھ ہی مریم کو دیکھا۔

”مریم! تم سر کے ساتھ باہر جاؤ۔تم باہر صلہ بھابھی کے پاس جاؤ میں میرب کو لے کر آتا ہوں۔“اس نے مریم سے کہا اور دوبارہ اندر کی جانب بڑھا۔

”تابش،تابش وہاں خطرہ ہے۔مت جائیں پلیز!“وہ پیچھے سے چلائی تھی۔تابش نے رک کر اسے دیکھا۔

”میں آجاؤں گا۔تم یہاں سے باہر جاؤ پلیز!“اس نے بس اتنا کہا اور اندر بڑھ گیا۔

مریم صلہ کے پاس آگئی۔ سمریز دوبارہ اندر کی جانب چلا گیا۔ نا جانے کتنی دیر وہ دونوں ان کا انتظار کرتے رہے۔ مگر وہ دونوں واپس نہ آئے۔ عالیان پریشان حال سا صلہ کی گود میں سو گیا تھا۔ یکدم ہی ایک خوبصورت رات بھیانک روپ اختیار کر گئی تھی۔ کتنے ہی وقت تک وہ دونوں ٹکٹکی باندھے داخلی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی رہیں۔ مگر ان لوگوں کی واپسی کا کوئی امکان نہیں دکھ رہا تھا۔

کافی دیر بعد وہ لوگ واپس آتے دکھائی دیے۔ صلہ اور مریم کے چہروں پر یکدم ہی خوشی کی لہر دوڑی تھی۔ مگر جب وہ دونوں قریب پہنچے تو جیسے کوئی خطرے کی گھنٹی بہت قریب سے بجی۔ مریم فوراً آگے بڑھی تھی۔ صلہ عالیان کے گود میں ہونے کے باعث اٹھ نہ سکی تھی۔

"میرب!" مریم نے تابش اور سمریز کے اترے چہروں کو دیکھ سوال کیا۔ تابش سر جھکائے کھڑا رہا البتہ سمریز نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ مریم کے قدم لڑکھڑائے۔ اس نے تابش کی جانب دیکھا۔ وہ اب بھی سر نہیں اٹھا رہا تھا۔ مریم محسوس کر سکتی تھی کہ وہ رو رہا ہے۔ اس نے بھاری قدموں سے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا۔ وہ جیسے ضبط کھوتا وہیں زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ سمریز نے آگے بڑھ کر عالیان کو صلہ کی گود سے لیا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ خود کو ہی بامشکل سنبھال پاتی تھی۔

''سمریز!''صلہ نے گلے میں بنتے آنسوؤں کے گولے کو نگلتے،کسی ادنٰی سی امید کے تحت اسے پکارا تھا۔

''میرب کہاں ہے؟''الفاظ اس کے حلق میں اٹکنے لگے تھے۔

''صلہ! پولیس اسے ڈھونڈ رہی ہے۔امید ہے وہ مل جائے گی۔''سمریز نے سنبھل کر جواب دیا۔

''وہ کہاں ہے؟آپ لوگ اسے لے کر کیوں نہیں آئے۔''صلہ تڑپ اٹھی تھی۔سمریز نے اسے فوراً تھام کر واپس کرسی پر بٹھایا۔

''وہ مل جائے گی۔امید رکھو،وہ ضرور مل جائے گی۔''سمریز نے اسے تسلی دینی چاہیے مگر وہ تڑپ کر رو دی۔

انہیں لگا تھا کہ اب آزمائش ختم ہو چکی ہے۔مگر نہیں آزمائش تو زندگی کی آخری سانس تک انسان کا پیچھا کرتی ہے۔یہ آزمائش ہی تو اس دنیا کا امتحان ہے اور امتحان کا وقت قیامت تک مختص کر دیا گیا ہے۔مگر پتا ہے کیا امتحان چاہے کتنا ہی کڑا کیوں نا ہو لیکن اگر اپنے ساتھ ہوں تو ہر امتحان باآسانی مکمل ہو جاتا ہے۔امید ہے کہ وہ سب بھی اس امتحان میں جلد ہی کامیاب ہو جائیں گے۔کیونکہ کسی کے چلے جانے سے زندگی تک نہیں جاتی اور ایک مسلہ حل ہو

جانے سے زندگی کے مسائل ختم ہو نہیں جاتے۔زندگی تو ہر طرح کے مسائل کے باوجود خود کو مضبوط بنا کر جینے کا نام ہے۔امید ہے کہ وہ سب بھی میرب کے غم سے نکل کر ایک بار پھر جینے لگیں گے۔

oooooooooooooooo

وہ نیلی روشنی میں ڈوبا ایک کمرہ تھا۔اس کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسی خاموشی جو ڈھیروں گناہوں کا بوجھ سمیٹے ہوئے تھی۔اس خاموشی کی تہیں بہت گہری تھیں۔اور اس سے بھی زیادہ ہولناک چیز اس کمرے کی دیواروں پر لگی تصویریں تھیں۔

کیا تھیں وہ تصویریں؟ کیا ہولناک منظر تھا ان تصویروں میں؟

وہ تصویریں خون سے لت پت لاشوں کی تھیں۔وہاں ان دیواروں پر چاروں جانب ڈھیروں ڈھیر تصویریں تھیں۔آڑی ترچھی، کٹی پھٹی ڈھیروں ڈھیر تصویریں۔تبھی اس نیلی روشنی میں ڈوبے اندھیرے سے کمرے میں سفید روشنی کی ایک لکیر ابھری۔ساتھ ہی دروازہ کھلنے کی آواز گونجی۔کوئی اندر داخل ہوا تھا۔اس کا وجود سیاہ لباس میں چھپا ہوا تھا۔صرف آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔وہ آنکھیں بہت پر کشش تھیں۔مگر ان میں کچھ اور بھی تھا۔کچھ ایسا کہ

جس سے کسی بھی انسان کا سانس تک رک جائے۔وہ آنکھیں خون کی پیاسی تھیں اور ان میں موجود چمک بتا رہی تھی کہ جیسے وہ اپنی پیاس بجھا کر آ رہی ہوں۔

وہ شخص چلتا ہوا ایک دیوار کے سامنے آکر ٹھہرا۔اس نے آگے بڑھ کر میز سے ایک تصویر اٹھائی اور دیوار پر چسپاں کر دی۔اب وہ دھیرے دھیرے اس تصویر کے گرد ٹیپ چپکانے لگا تھا۔یوں جیسے نئے شکار کو کسی یاد کی طرح دیوار پر سجا رہا ہو۔وہ اپنے کام سے فارغ ہوا تو دو قدم پیچھے ہٹا۔پھر وہ آنکھیں مسکرائی تھیں۔ان میں موجود چمک مزید گہری ہوئی۔

"ویلکم ٹو مائے ورلڈ، پریٹی"۔وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔پھر اپنی لگائی گئی اس تصویر پر لال دوات سے ایک کانٹا کھینچا تھا۔میرب کا مسکراتا چہرہ اس سرخ کانٹے کے پیچھے چھپ سا گیا۔مگر وہ آنکھیں پورے آب و تاب سے چمکنے لگی تھیں، کبھی نہ مدھم پڑنے کیلئے...

oooooooooooooooooo

ختم شد

Club of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842